مناسک حج و عمرہ

قرآن و سنت اور مستند احادیث کی روشنی میں

تالیف

ڈاکٹر محمد عامر گزدر

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

مناسک

حج و عمرہ

قرآن و سنت اور مستند احادیث کی روشنی میں

مناسک

حج و عمرہ

قرآن و سنت اور مستند احادیث کی روشنی میں

تالیف

ڈاکٹر محمد عامر گزدر

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر: غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

طابع: شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

طبع اول: مارچ 2026ء

قیمت: 1150 روپے

ISBN: 978-1-966600-37-4

Address: 3620 N Josey Ln, Suite 230 Carrollton, TX 75007

Website: www.ghamidi.org

Email: info@ghamidi.org

فہرست

پیش لفظ	15
عرضِ مؤلف	17
باب اول: حج و عمرہ —— بنیادی مقدمات	21
1۔ حج و عمرہ کی تاریخ	21
2۔ حج و عمرہ کی اہمیت و فضیلت	24
3۔ حج و عمرہ کا مقصد	26
4۔ حج کے دوران میں مطلوب رویہ	27
5۔ حج کا حکم	28
6۔ عمرہ کا حکم	30
7۔ حج و عمرہ کے ایام	30
8۔ حج و عمرہ کے مقامات: شعائر و مشاعر	31
حج و عمرہ کی میقاتیں	33

حرمِ مکہ: اِس کے حدود اور حرمت	35
بیت اللہ الحرام	37
حَطِیم	38
حجر اسود اور ارکانِ کعبہ	39
بیت اللہ کا دروازہ، ملتزَم اور غلاف	40
ابراہیمی پتھر اور زمزم	40
صفا و مروہ	40
منٰی	42
عرفات	43
مزدلفہ	43
جمرات	44
باب دوم: حج و عمرہ کے مناسک	**45**
مناسکِ عمرہ ــــــ اجمالی بیان	45
مناسک عمرہ ــــــ تفصیلی بیان	46
1۔ احرام کی تعریف اور شریعت	46
مرد و عورت کے لیے یکساں پابندیاں	47
صرف مردوں کے ساتھ خاص پابندیاں	47

صرف عورتوں کے ساتھ خاص پابندیاں	48
2۔ عمرہ میں احرام باندھنے کا مقام	48
3۔ تلبیہ	48
4۔ طوافِ بیت اللہ اور اِس کا طریقہ	49
5۔ سعی کا طریقہ	50
6۔ ہدی کی قربانی	50
7۔ حلق و قصر	51
مناسکِ حج ـــــ اجمالی بیان	51
مناسکِ حج ـــــ تفصیلی بیان	53
1۔ یوم الترویہ 8 / ذوالحجہ کے مناسک	53
احرام	53
احرامِ حج کا مقام	53
تلبیہ	54
قیام منیٰ	54
2۔ یومِ عرفہ 9/ذوالحجہ کے مناسک	55
3۔ یوم النحر 10/ذوالحجہ کے مناسک	55
4۔ ایام تشریق کے مناسک	56

مناسکِ حج وعمرہ کا ماخذ اور ثبوت 56

باب سوم: مناسکِ حج وعمرہ: نبی ﷺ کا اسوہ اور آپ کی تفہیم و تبیین 58

حالت احرام اور مباح اُمور 58

حالتِ احرام میں نکاح 60

تلبیہ: حج کا شعار 60

تلبیہ کی فضیلت 60

تلبیہ کیسے کہا جائے؟ 60

طواف سے پہلے وضو 61

طواف کے ہر چکر میں حجرِ اَسود کا اِستلام اور تکبیر 61

رُکن یمانی کا استلام 61

حالت عذر میں سواری پر طواف 62

ابراہیمی پتھر کے پیچھے نفل نماز اور استلام حجرِ اسود 62

سعی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ 62

وقوفِ عرفہ میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ 63

یومِ عرفہ کی فضیلت 64

وقوفِ مزدلفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ 64

حالتِ عذر میں منیٰ میں رات گزارنے سے رخصت 65

رمی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ اور آپ کے اوقاتِ رمی 65

حلق و قصر 66

حلق کی فضیلت 67

متفرق مسائل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی 67

طواف اور نماز کا تقابل 67

نفل طواف کی فضیلت 68

حالتِ احرام میں موت 68

بچوں کا حج 68

حج کے خواہش مند معذورین کی طرف سے حج 69

حج کی نذر ماننے والے متوفٰی کی طرف سے حج 69

حج بدل کرنے والے کے لیے ایک ہدایت 69

مسجد حرام کا مقام 70

مسجدِ نبوی کا مقام 70

باب چہارم: حقیقتِ حج و عمرہ 71

حقیقتِ مناسک 75

حقیقتِ احرام 75

حقیقتِ تلبیہ 75

حقیقتِ طواف 76

اِستلامِ حجرِ اسود کی حقیقت 77

حقیقتِ سعی 77

قیامِ منیٰ کی حقیقت 78

وقوفِ عرفہ کی حقیقت 78

وقوفِ مزدلفہ کی حقیقت 79

قیامِ منیٰ اور رمی جمرات کی حقیقت 79

حقیقتِ قربانی 80

سر منڈانے کی حقیقت 80

باب پنجم: اہم فقہی مسائل اور اُن کا حل 82

1۔ احرام سے پہلے کے آداب 82

2۔ مباحاتِ احرام 83

3۔ مردوں کے لیے خاص طرح کی چپل کی پابندی 84

4۔ میقات سے بغیر احرام کے گزرنے کا حکم 87

5۔ طوافِ بیت اللہ کے لیے وضو کی شرط 90

6۔ پہلے طواف میں 'رَمل' اور 'اِضطباع' کا حکم 95

7۔ ’طوافِ قُدوم‘ کس طواف کو کہتے ہیں؟	100
8۔ حج و عمرہ میں سعی کا حکم —— واجب یا تطوع؟	102
9۔ سعی کے کچھ حصے میں تیز دوڑنے کا حکم	104
10۔ حج و عمرہ کے علاوہ صفا و مروہ کی نفلی سعی	108
11۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران میں بہ تکرار عمرہ کرنا	113
12۔ حج و عمرہ میں طوافِ وداع کی حیثیت اور اُس کا حکم	119
13۔ عورت کے ایام اور طوافِ حج	121
14۔ عورت اپنے ایام میں بیت اللہ کا طواف کیوں نہیں کر سکتی؟	128
15۔ حائضہ کے لیے صفا و مروہ کی سعی کا حکم	129
16۔ وقوفِ مزدلفہ کی رات میں منیٰ چلے جانے کا حکم	132
17۔ رمی کے اوقات میں رفع حرج اور آسانی	133
18۔ منیٰ میں رات گزارنے کا حکم اور اِس میں رخصت	137
19۔ رمیِ جمرات میں نیابت کا حکم	138
20۔ کیا شریعت میں حج کی تین قسمیں ہیں؟	138
21۔ منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں نمازیں قصر پڑھی جائیں یا مکمل؟	143
22۔ حج و عمرہ میں دم یا فدیہ کے احکام	145

1۔ بھول کر غلطی کرنے یا نادانستہ طور پر خلاف ورزی کا حکم 146
2۔ مجبوری کی بنا پر یا جانتے بوجھتے احرام کی خلاف ورزی کا حکم 147
3۔ ترکِ واجب پر فدیے کا حکم اور اِس کا ماخذ 149
4۔ حج کی قربانی کی صورت میں فدیے کے احکام 150
5۔ راستے میں گھر جانے کی صورت میں قربانی کا حکم 152
6۔ خشکی کا شکار کرنے پر کفارے کا حکم اور اِس کی صورتیں 153
23۔ زیارتِ مدینہ و مسجدِ نبوی کا حکم 155
24۔ مسجد نبوی میں 40 نمازیں پڑھنے کی فضیلت 156
25۔ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری 158
باب ششم: حج و عمرہ کی شائع و ذائع غلطیاں 160
احرام 160
تلبیہ 163
مسجدِ حرام میں داخلہ 164
طواف 164
سعی 169
حلق و قصر 170
یوم الترویہ 170

وقوفِ عرفہ	171
وقوفِ مزدلفہ	173
رمی جمرات	175
متفرقات	177

بسم الله الرحمن الرحيم

پیش لفظ

حج اور اِس کے ذیل میں عمرہ کی عبادت کی دین اسلام میں جو اہمیت ہے، وہ اہل علم کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے، لیکن عام آدمی کے پہلو سے اِن عبادات کا امتیازی وصف یہ ہے کہ حج و عمرہ کا سفر اُس کی زندگی کا اہم ترین سفر ہوتا ہے۔ یہ گویا بندے کی خدا سے وہ ملاقات ہے جو اُس کی زندگی کا سب سے بڑا روحانی تجربہ ہوتا ہے۔ تاہم یہ بڑی بد قسمتی ہے کہ اِس عظیم روحانی تجربے کی معنویت اکثر و بیش تر اُن فقہی مباحث کی نذر ہو جاتی ہے جو حج و عمرہ کے حوالے سے ہمارے ہاں عازمین حج و عمرہ کو بالعموم تربیتی نشستوں میں سکھائے جاتے ہیں۔

استاذِ گرامی جناب جاوید احمد صاحب غامدی نے اپنی کتاب ''میزان'' میں اُن تمام تر فقہی مباحث سے اعراض کرتے ہوئے اِس عظیم عبادت کو قرآن و سنت کی بنیاد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں بیان کر دیا ہے۔ اِس کے ساتھ مناسک کی روح، یعنی حقیقت و مقصد کو اِس طرح کھول کر بیان کیا ہے کہ بندہ اُسے ملحوظ رکھے تو اُس کا حج و عمرہ زندگی کو بدل دینے والا تجربہ بن جائے گا۔

استاذِ گرامی کا کام اپنی نوعیت کے لحاظ سے اگرچہ بہت اہم، مفید اور جامع ہے، مگر اپنے بیان میں اختصار و ایجاز کا ایک پہلو لیے ہوئے ہے۔ برادرِ عزیز عامر گزدر صاحب نے کم و بیش

دو عشرے قبل اِسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اِس موضوع پر اُستاذِ گرامی کے کام کو اپنی متعدد تصانیف میں تفصیل و توضیح کے ساتھ پیش کیا تھا۔ اِن کا یہ کام بہت مقبول ہوا اور حج و عمرہ پر جانے والے لوگوں میں اِن کی کتاب ''مناسکِ حج و عمرہ'' کافی پسند کی گئی اور بار بار اِس کی اشاعت کی ضرورت محسوس ہوتی رہی، اور یہ متعدد اداروں سے شائع ہوتی رہی ہے۔

اب بیس برس بعد جب استاذِ گرامی کے اپنے ادارے ''غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ'' نے اِس کتاب کو شائع کرنے کا فیصلہ کیا تو عامر صاحب نے نہ صرف یہ کہ اپنے اِس کام پر بالاستیعاب نظر ثانی کا اہتمام کیا، بلکہ اِس میں بہت سے اہم اضافے بھی کیے ہیں۔ اِن میں سے زیادہ تر کا تعلق اُن فقہی مباحث سے ہے جو عام طور پر زیرِ بحث رہتے ہیں اور جن میں فکرِ فراہی کے اُصولوں کی روشنی میں ایک متوازن اور علمی نقطۂ نظر کا لوگوں کے سامنے آنا ضروری ہے۔ عامر گزدر صاحب نے بہت خوب صورتی سے اُن مباحث میں تمام نقطہ ہاے نظر کا احاطہ کرتے ہوئے علمی بنیاد پر ایک متوازن نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ یہ وہ مباحث تھے جو رائج تصورات کی بنا پر زائرین حج و عمرہ کی ساری توجہ اپنی طرف مبذول کیے رہتے تھے اور حج و عمرہ کی اصل شریعت، حقیقت اور مقصد سے بڑھ کر لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے تھے۔ امید ہے کہ اِن مباحث میں ایک متوازن نقطۂ نظر سامنے آنے کے بعد لوگوں کی توجہ حج و عمرہ کی شریعت اور اصل روح پر مبذول رہے گی۔ اس پہلو سے عامر صاحب کی یہ خدمت بہت غیر معمولی ہے۔

24/ ستمبر 2025ء —— **ریحان احمد یوسفی**

عرضِ مؤلف

2003ء میں جب راقم سطور "المورد" کے کراچی سینٹر 'دانش سرا' میں تدریس و تحقیق کی خدمات سرانجام دے رہا تھا، اُس زمانے میں سینٹر کے زیرِ اہتمام دوسرے کورسز کی طرح حج و عمرہ کی عبادات پر بھی بعض تعلیمی کورسز اور ورکشاپس کا اہتمام کیا گیا، جنھیں بعد میں بھی دہرایا جاتا رہا۔ اِن تعلیمی پروگرامز کے ساتھ ہی اِس موضوع پر تحقیق و تالیف کی تحریک پیدا ہوئی۔ اُس زمانے میں حج و عمرہ کے مناسک کو بصیرت کے ساتھ سمجھنے اور اِن کی حقیقت کو جاننے کی جستجو بھی پیدا ہوئی۔ چنانچہ اِس مقصد سے راقم حروف نے اِس موضوع پر مختلف مذاہبِ فقہ کے علما کی تالیفات کا مطالعہ کیا۔ حج و عمرہ پر اسلامی شریعت کے احکام اور علما کی فقہی آرا کو ممیز کر کے طلبہ کو اِن کی تعلیم دی۔ اختلافی مسائل میں دلائل کا تقابل کر کے جائزہ لیا کہ اِن میں صائب اور قوی آرا کیا ہیں اور اِسی تقابلی طرز پر بھی "المورد" کراچی میں تدریس کا اہتمام کیا۔ دورانِ تدریس میں یہ دریافت کرنے کی سعی بھی کی کہ اِن عبادتوں کو سمجھنے سمجھانے کا سب سے بہتر، مدلل اور قرآن و سنت سے اقرب زاویہ کیا ہو سکتا ہے۔

اُس زمانے میں ہمارے ہاں اُردو زبان میں قارئین کے لیے حج و عمرہ پر جو کتابیں پائی جاتی تھیں، وہ بالعموم فقہی و مسلکی بنیادوں پر حجاج و معتمرین کی رہنمائی کرتی تھیں۔ اُن میں بہت

سے احکام و مسائل میں حجاج و معتمرین کی ایسی رہنمائی کی گئی تھی جو اِس باب میں حدیث وسنت سے متعارض دکھائی دیتی تھی۔ علاوہ ازیں، اُن میں حج و عمرہ کے اعمال و مناسک کی اصل تاریخ اور حقیقت کو کہیں زیرِ بحث نہیں لایا گیا تھا۔ چنانچہ اِس بات کی بھی اشد ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ حجاج و معتمرین کے لیے اُردو زبان میں کوئی ایسی کتاب تالیف کی جائے جو نہ صرف یہ کہ خالص قرآن وسنت اور مستند احادیث کی بنیاد پر عام فہم انداز میں اُن کی رہنمائی کرے، بلکہ مناسک وشعائر کی حقیقت وحکمت کی تعلیم بھی دے اور اِسی طرح دین ابراہیمی میں اِن عبادات کی اصل تاریخ پر بھی روشنی ڈالے۔

چنانچہ راقم السطور نے 2003ء ہی میں اِس موضوع پر ابتدا میں ایک مختصر کتاب تالیف کی اور اِسی سال کے دوران میں دوسری مرتبہ حج کی سعادت نصیب ہوئی اور دورانِ سفر میں قافلے کے ساتھیوں نے بھی اِس کتاب سے استفادہ کیا اور راقم نے اِسی تالیف کی بنیاد پر حج کے دوران میں موقع بہ موقع اُن کی تعلیم کا اہتمام بھی کیا۔

اِس کے بعد 2004ء میں یہ کتاب راقم الحروف نے ذرا مفصل صورت میں سوال وجواب کے اسلوب میں بھی تصنیف کی اور پہلی مرتبہ باقاعدہ طور پر یہ 'دانش سرا' کراچی سے شائع ہوئی۔ بعد ازاں، حجاج کی سفری ضرورت کے تحت چھوٹے حجم کی صورت میں اِسی تصنیفی و تحقیقی کام سے دو کتابچے مرتب کیے۔ ایک "مناسکِ حج وعمرہ" کے عنوان سے اور دوسرا "عمرہ کیسے کیا جائے؟" کے زیرِ عنوان ترتیب دیا۔ اِن دونوں کتابچوں میں سوال وجواب کا اسلوب ختم کر دیا گیا تھا۔ یہ قارئین میں اپنی مقبولیت کے باعث دانش سرا کے مرکز سے متعدد بار شائع ہونے کے علاوہ بعد میں 'انذار' کے ادارے سے بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔

اِس سارے عرصے میں بہت سے ایسے فقہی سوالات بھی راقم السطور کو موصول ہوتے

رہے جن سے حجاج و معتمرین کو اکثر و بیش تر سابقہ پیش آتا ہے۔ چنانچہ شریعت اور حدیث وسنت کی روشنی میں اِن سوالوں کے جواب میں لوگوں کی براہِ راست رہنمائی کی جاتی رہی، لیکن اب اِس بات کی ضرورت بھی پیدا ہوئی کہ افادۂ عام کے لیے اِن اہم فقہی سوالات اور اِن کے مفصل جوابات کو بھی راقم کی کتاب میں ایک باب کے طور پر شامل کیا جائے۔ لہٰذا اِس مقصد سے حال ہی میں، یعنی کم و بیش 22 برس بعد راقم نے اپنے اِس تصنیفی کام پر ایک مفصل نظر ثانی کا کام شروع کیا، جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ کتاب میں ''اہم فقہی مسائل اور اُن کا حل'' کے عنوان سے ایک باب کا اضافہ کیا، بلکہ مدعا کی مزید بہتر اور آسان تفہیم کے لیے کتاب کے اسلوب کو ایک مرتبہ پھر سوال وجواب کے طرز پر مرتب کر دیا ہے۔ مزید برآں، پیش کش کے نئے طرز کے علاوہ اِس کے ہر باب میں تجدید و اضافے کیے گئے ہیں، جن کو دقتِ نظر سے مطالعہ کرنے والے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ امید کرتا ہوں کہ کتاب کا یہ نیا ایڈیشن اب قارئین کے لیے اِس موضوع پر مزید افادے کا باعث بنے گا اور فقہی مسائل میں رہنمائی کے پہلو سے جو تشنگی محسوس کی جا رہی تھی، اُس کی تلافی بھی ہو گی۔

اِس کتاب کا سب سے امتیازی پہلو یہ ہے کہ راقم السطور کے علم کی حد تک یہ اپنے موضوع پر پہلی تالیف ہے، جو حج و عمرہ کی شریعت اور اُن کے احکام و مسائل کو فکرِ فراہی کے اُصولوں کی روشنی میں پیش کرتی ہے۔ اِس میں بیانِ شریعت کے علاوہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیم و تبیین کی مستند روایتیں اور آپ کے اُسوۂ حسنہ کا بیان بھی موجود ہے۔ فقہی سوالات کے جواب میں بھی اُصولِ فکرِ فراہی کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

حج و عمرہ کے باب میں راقم الحروف نے اپنی تحقیق و تالیف کے دوران میں جن مباحث میں امام حمید الدین فراہی، امام امین احسن اصلاحی اور استاذِ مکرم جاوید احمد غامدی صاحب کے

کاموں اور تحقیقات سے خاص طور پر استفادہ کیا ہے، وہ دین اسلام میں حج و عمرہ کے شعائر و مناسک کی ابراہیمی تاریخ اور حقیقتِ مناسک کے ابواب ہیں، جن میں بلاشبہ، اِن اصحابِ علم کا کام قابلِ قدر اور نہایت غیر معمولی درجے کا ہے۔ اِس کے علاوہ، استاذِ گرامی غامدی صاحب نے اپنی کتاب ''میزان'' میں دوسری عبادات کی طرح حج و عمرہ میں بھی اسلامی شریعت اور اخبارِ آحاد کو جس طرح الگ الگ ممیز کر دیا ہے، استاذِ محترم کا یہ کام بھی نہایت وقیع اور قابلِ ستایش ہے۔ چنانچہ اُن کی کتاب ''میزان'' کے باب 'حج و عمرہ' سے استفادے کے شواہد اور اقتباسات بھی قارئین کو اِس کتاب میں دیکھنے کو ملیں گے۔

30 / ستمبر 2025ء ——— **ڈاکٹر محمد عامر گزدر**

باب اول

حج و عمرہ ـــــ بنیادی مقدمات

1۔ حج و عمرہ کی تاریخ

سوال: حج و عمرہ کی عبادات کا آغاز کب ہوا تھا؟ دین اسلام میں حج و عمرہ کی تاریخ کیا ہے؟

جواب: حج عمرہ کی تاریخ کا آغاز سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اُس منادی سے ہوتا ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّ عَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ لِّیَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ لَهُمۡ وَ یَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِیۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ ۚ فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَ اَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِیۡرَ ثُمَّ لۡیَقۡضُوۡا تَفَثَهُمۡ وَ لۡیُوۡفُوۡا نُذُوۡرَهُمۡ وَ لۡیَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَیۡتِ الۡعَتِیۡقِ. (الحج22:27-29)

”اور حکم دیا تھا کہ لوگوں میں حج کی منادی کرو، وہ تمھارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور ہر طرح کی اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی کہ (سفر کی وجہ سے) دبلی ہو گئی ہوں گی۔ وہ (قافلوں کی آمدورفت سے) گہرے ہو چکے ہر دور دراز پہاڑی راستے سے آئیں گی۔ اِس لیے آئیں گے کہ اپنی منفعت کی جگہوں پر حاضر ہوں اور چند متعین دنوں میں اُن مواشی

جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے اُنھیں بخشے ہیں۔ (تم اُن کو ذبح کرو) تو اُن سے خود بھی کھاؤ اور برے حال فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ پھر چاہیے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں، اپنی نذریں پوری کریں اور اِس قدیم گھر کا طواف کریں۔"

حج و عمرہ کی تاریخ کو استاذ جاوید احمد غامدی نے اپنی کتاب "میزان" میں نہایت عمدگی سے اِس طرح بیان کیا ہے:

"یہ صدا ہے جو صدیوں پہلے بلند ہوئی اور جس کے جواب میں 'لبیك لبیك' کہتے ہوئے ہم ام القریٰ مکہ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی اُس مسجد کے لیے عزم سفر کرتے ہیں جسے 'بیت الحرام' کہا جاتا ہے۔ یہ وہی بیت عتیق ہے جو امام فراہی کے الفاظ میں اِس وادی بطحا میں خدا کا پہلا گھر تھا اور جس کے حق میں ازل سے طے کر دیا گیا تھا کہ توحید سے انحراف کرنے والوں کو دور پھینکتا رہے۔ چنانچہ اِس کے باشندوں نے جب بت پرستی اختیار کر لی اور اِس کے جوار سے منتشر ہوئے تو پرستش کی غرض سے اِس معبد کے پتھر بھی ساتھ لیتے گئے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بابل سے ہجرت کے بعد اِس کو تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچے تو اِس کی پرانی تعمیر کا صرف ایک چمکتا ہوا پتھر باقی رہ گیا تھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُنھیں حکم دیا کہ اِس معبد کو دوبارہ تعمیر کریں۔ چنانچہ باپ بیٹے، دونوں نے مل کر اِسی یادگار پتھر کے نیچے زمین کھودنا شروع کی۔ پرانی بنیادیں کچھ تگ و دو کے بعد نکل آئیں تو اُنھیں بلند کیا اور اِس پتھر کو عمارت کے ایک گوشے میں نصب کر دیا۔ حضرت اسمٰعیل اِسی گھر کی نذر کیے گئے تھے، لہٰذا وہ اِس کے خادم مقرر ہوئے اور اللہ کے حکم سے یہ صدا بلند کر دی گئی کہ لوگ اب خداوند کی نذر چڑھانے کے لیے آئیں اور یہاں آ کر توحید پر ایمان کا جو عہد اُنھوں نے باندھ رکھا ہے، اُسے تازہ کریں۔ اصطلاح میں اِس عمل کا نام 'حج' و 'عمرہ' ہے۔" (میزان 373)

غامدی صاحب مزید لکھتے ہیں:

”سیدنا ابراہیم کے بعد حج و عمرہ کی اِن عبادات پر عمل کا یہ سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی عرب کے لوگ ہر جگہ سے گروہ در گروہ حج و عمرہ کے لیے آتے تھے اور آپ کی بعثت کے بعد بھی یہ سلسلہ اِسی طرح جاری رہا۔ قرآن نے ایک جگہ اِسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ’وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا‘[1]، ”اور جو لوگ وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، اُن پر اللہ کے لیے اِس گھر کا حج ہمیشہ فرض رہا ہے“۔

اِس میں شبہ نہیں کہ اِس کے مناسک اور رسوم و آداب میں بعض بدعتیں اِن لوگوں نے داخل کر دی تھیں، لیکن روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اِنھی میں سے بعض لوگ اِن بدعتوں پر پوری طرح متنبہ بھی تھے اور اپنا حج ابراہیمی طریقے کے مطابق ہی کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ بعثت سے پہلے جبیر بن مطعم نے آپ کو عرفات میں دیکھا تو اُسے حیرت ہوئی کہ قریش کے لوگ تو مزدلفہ سے آگے نہیں جاتے اور بنی ہاشم کا یہ فرزند وقوف عرفہ کے لیے یہاں حاضر ہے۔ اُس کا بیان ہے: ’أضللت بعيرًا لي، فذهبت أطلبه يوم عرفة، فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم واقفًا بعرفة، فقلت: هٰذا، والله، من الحمس، فما شأنه هاهنا؟‘[2]، ”میرا اونٹ کھو گیا۔ عرفہ کے دن میں اُسے تلاش کرتا ہوا گیا تو میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات میں کھڑے ہیں۔ میں نے خیال کیا: بخدا، یہ تو قریش میں سے ہیں، پھر یہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟“۔

---

[1] آلِ عمران 3:97۔

[2] صحیح بخاری، رقم 1664۔

اِس سے واضح ہے کہ قرآن نے جب حج کا حکم دیا تو اُس کے مخاطبین کے لیے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ وہ دین میں اِس کی اہمیت اور اِس کے رسوم وآداب سے پوری طرح واقف تھے اور ہر سال نہایت اہتمام کے ساتھ اِس کے لیے حاضر ہوتے اور اِس کے مناسک ادا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن نے اِس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ اِن کی بدعتوں اور انحرافات کو ختم کر کے حج وعمرہ، دونوں کو اُن کے اصل ابراہیمی طریقے پر بحال کر دیا۔ یہ اِس عظیم عبادت کی تاریخ کا آخری باب ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے رقم ہوا ہے۔ اِس کے بعد اب اِس کے تمام مناسک مسلمانوں کے اجماع اور تواتر عملی سے نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہو رہے ہیں، اِن میں کسی نوعیت کا کوئی ترمیم وتغیر یا اضافہ نہیں ہوا۔ ''[3]

2۔ حج وعمرہ کی اہمیت وفضیلت

سوال: دین میں عبادتِ حج کی اہمیت وفضیلت کیا ہے؟

جواب: دین اسلام میں حج ایک غیر معمولی اہمیت کی حامل عبادت ہے۔ اِس کی اہمیت کا اندازہ اِس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اِس سے بے پروائی کا نتیجہ کفر ہے اور وہ اگر اپنے اس رویے پر اصرار کریں گے تو پھر اللہ کو بھی اُن کی کوئی پروا نہ رہے گی۔ ارشاد فرمایا ہے: 'وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ'[4]، ''اور جو لوگ وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، اُن پر اللہ کے لیے اِس گھر کا حج ہے، اور جو اِس کے بعد بھی انکار کریں، اللہ کو اُن

[3] جاوید احمد غامدی، میزان 376-377۔

[4] آلِ عمران 3:97۔

کی کچھ پروا نہیں، اِس لیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے‘‘۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ’بُنِیَ الاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَاِقَامِ الصَّلَاةِ، وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ‘،[5] ’’اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: (اِس حقیقت کی) گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا‘‘۔

بعض روایتوں میں نقل ہوا ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان اور جہاد کے بعد حج بیت اللہ ہی کی فضیلت بیان کی ہے۔[6] آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے اُس کے گھر کا حج کرے، پھر اِس عبادت کی ادائیگی کے دوران میں وہ شہوت یا نافرمانی کی کوئی بات نہ کرے تو وہ حج سے گویا اِس طرح لوٹتا ہے، جس طرح اُس کی ماں نے اُسے آج جنا ہے۔[7] اِسی طرح آپ کا ارشاد ہے: ایک عمرے کے بعد دوسرا عمرہ اِن کے درمیان میں ہونے والی لغزشوں اور گناہوں کے لیے کفارہ ہے اور سچے حج کا بدلہ صرف جنت ہی ہے۔[8]

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

’’’اسلام‘ کا لفظ جس طرح پورے دین کے لیے استعمال ہوتا ہے، اُسی طرح بندۂ مومن

---

[5] صحیح بخاری، رقم 8۔

[6] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 26۔ صحیح مسلم، رقم 83۔

[7] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1723۔ صحیح مسلم، رقم 1350۔

[8] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1683۔ صحیح مسلم، رقم 1349۔

کے وجود میں دین کے ظاہر کو بھی بعض اوقات اِسی لفظِ 'اسلام' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اپنے اِس ظاہر کے لحاظ سے یہ اُن پانچ چیزوں سے عبارت ہے جن کی تاکید قرآنِ مجید نے بھی جگہ جگہ فرمائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں یہ ایک ہی جگہ اِس طرح بیان ہوئے ہیں: 'الاسلام ان تشهد ان لا إله إلا الله و ان محمدا رسول الله، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتصوم رمضان، وتحج البيت'[9]، "اسلام یہ ہے کہ تم اِس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت الحرام کا حج کرو"۔ [10]

قرآن وحدیث کے مندرجہ بالا نصوص سے نہ صرف یہ کہ حج وعمرہ کی اہمیت وفضیلت واضح ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حج کی عبادت دین کے اُن بنیادی اعمال میں سے ایک ہے، جن سے ایک بندۂ مومن کا دین اُس کے خارج میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ عمرہ، اعتکاف اور قربانی کی عبادات کا ذکر اِس سیاق میں محض اِس وجہ سے نہیں ہوا ہے کہ حکم کے اعتبار سے وہ مسلمانوں پر لازم نہیں کی گئی ہیں، تاہم حقیقت کے لحاظ سے اُن کی حیثیت بھی 'اسلام' ہی کی ہے۔

3۔ حج وعمرہ کا مقصد

سوال: حج وعمرہ کا مقصد کیا ہے؟

جواب: حج وعمرہ کا مقصد یہ ہے کہ اِن عبادات کے ذریعے سے ہم اِس بات کی یاد دہانی

---

[9] صحیح مسلم، رقم 8۔

[10] جاوید احمد غامدی، میزان 75۔

حاصل کریں کہ اسلام قبول کر کے ہم اپنے آپ کو اپنے خداوند کی نذر کر چکے ہیں۔ اِس کے لازمی نتیجے کے طور پر اللہ کی توحید کا اقرار کریں، اُس کی شکر گزاری کا اعلان کریں، اُس کی نعمتوں کا اعتراف کریں اور اُس کے حضور میں اپنی کامل بندگی کا اظہار کریں۔

حج و عمرہ کا یہ مقصد تلبیہ کے اُن الفاظ میں بڑی خوبی سے واضح ہوتا ہے جو اِن دونوں عبادتوں میں ایک متعین ذکر کے لیے مشروع کیے گئے ہیں۔ اِن الفاظ پر تدبر کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِسی مقصد کو نمایاں کرنے اور اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لیے شریعت نے اِنھیں منتخب کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احرام باندھ لینے کے بعد یہی الفاظ ہیں، جو ہر عازمِ بیت اللہ کی زبان پر مسلسل جاری رہتے ہیں:

لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لَا شَرِیكَ لَكَ لَبَّیْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِیكَ لَكَ.

”میں حاضر ہوں، اے اللہ، حاضر ہوں؛ حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں؛ میں حاضر ہوں، حمد تیرے لیے ہے، سب نعمتیں تیری ہیں اور بادشاہی بھی تیرے ہی لیے ہے؛ تیرا کوئی شریک نہیں۔“

4۔ حج کے دوران میں مطلوب رویہ

سوال: حج و عمرہ کے دوران میں اللہ تعالیٰ کو عازمین بیت اللہ سے کیسا رویہ مطلوب ہے؟

جواب: اِس مبارک سفر میں خدا کا یہ مطلوب رویہ کیا ہے، قرآن مجید کی روشنی میں اِس کا جواب قارئین استاذ جاوید احمد غامدی کی کتاب ”میزان“ کے درجِ ذیل اقتباس میں دیکھ سکتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

”زمانۂ جاہلیت میں حج نے عبادت سے زیادہ ایک نیم مذہبی میلے کی صورت اختیار کر لی

تھی۔ چنانچہ لوگ اِس کے لیے ہر طرح کا اہتمام کرتے، لیکن اِس بات کو بہت کم اہمیت دیتے تھے کہ اِس سفر میں اصل زادِراہ، تقویٰ کا زادِراہ ہے، اور وہ حج کے لیے نکلے ہیں تو اُنھیں اب کوئی شہوت، نافرمانی یا لڑائی جھگڑے کی بات نہیں کرنی چاہیے۔ یہ اِس عظیم عبادت کی روح کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ اِس سفر کے لیے آدمی کو سب سے زیادہ اِسی تقویٰ کے زادِراہ کا اہتمام کرنا چاہیے: 'اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ'[11]، ''حج کے متعین مہینے ہیں۔ سو اِن میں جو شخص بھی (احرام باندھ کر) حج کا ارادہ کر لے، اُسے پھر حج کے اِس زمانے میں نہ کوئی شہوت کی بات کرنی ہے، نہ خدا کی نافرمانی کی اور نہ لڑائی جھگڑے کی کوئی بات اُس سے سرزد ہونی چاہیے۔ اور (یاد رہے کہ) جو نیکی بھی تم کرو گے، اللہ اُسے جانتا ہے۔ اور (حج کے اِس سفر میں تقویٰ کا) زادراہ لے کر نکلو، اِس لیے کہ بہترین زادراہ یہی تقویٰ کا زادراہ ہے۔ اور اِس کے لیے، عقل والو، مجھ سے ڈرتے رہو۔''[12]

5۔ حج کا حکم

سوال: دین اسلام میں حج کا حکم کیا ہے؟ کیا اِسے ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم کیا گیا ہے؟

جواب: بیت الحرام کا حج دین اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ سے ایک دینی فریضہ رہا ہے۔ سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ

11 البقرۃ 2:197۔

12 جاوید احمد غامدی، میزان 382۔

بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ'[13]، ”اِنھیں یاد دلاؤ، جب ہم نے ابراہیم کے لیے اِس گھر کی جگہ کو ٹھکانا بنایا تھا، اِس ہدایت کے ساتھ کہ کسی چیز کو میرا شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا۔ اور حکم دیا تھا کہ لوگوں میں حج کی منادی کرو، وہ تمھارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور ہر طرح کی اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی کہ (سفر کی وجہ سے) دبلی ہو گئی ہوں گی۔ وہ (قافلوں کی آمد ورفت سے) گہرے ہو چکے ہر دور دراز پہاڑی راستے سے آئیں گی“۔

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: 'وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا'[14]، ”اور جو لوگ وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، اُن پر اللہ کے لیے اِس گھر کا حج ہے“۔

اِس عظیم عبادت کو ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر عمر بھر میں ایک مرتبہ ادا کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگو، تم پر حج فرض کیا گیا ہے، لہٰذا حج کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا: کیا ہر سال، اے اللہ کے رسول؟ اِس پر آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ اُس نے یہ سوال تین مرتبہ دہرایا۔ پھر آپ نے فرمایا: ”اگر میں ہاں کہہ دیتا تو یہ ہر سال لازم ہو جاتا اور تم اِس کی استطاعت نہ رکھتے۔“[15]

سیدنا عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں کہ اقرع بن حابس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت

---

[13] الحج 22:26-27۔

[14] آلِ عمران 3:97۔

[15] دیکھیے: مسندِ احمد، رقم 10607۔ صحیح مسلم، رقم 1337۔

کیا: یارسول اللہ، کیا حج ہر سال ادا کرنا لازم ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، یہ بس ایک ہی مرتبہ فرض ہے، لیکن جو شخص مزید حج کا اہتمام کرے تو یہ تطوع ہے۔[16]

6۔ عمرہ کا حکم

سوال: شریعت میں عمرہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: عمرہ کی حیثیت ایک تطوع عبادت کی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، یہ حج کا اجمال ہے، چنانچہ اِسی بنا پر عمرہ کو 'حج اصغر' بھی کہا جاتا ہے۔ اِسے مسلمانوں پر لازم نہیں کیا گیا ہے۔ اِس کا درجۂ حکم اسلامی شریعت میں ایسے ہی ہے، جیسے اعتکاف کی عبادت کا ہے۔ لہٰذا جو صاحبِ استطاعت مسلمان اپنے شوق سے عمرہ کرتا ہے تو بلاشبہ، یہ اُس کے لیے بہت ہی باعثِ اجر و فضیلت عبادت ہے۔

سوال: استطاعت سے کیا مراد ہے؟

جواب: استطاعت سے مراد یہ ہے کہ حج کرنے والے کی مالی و سفری استطاعت اور جسمانی استعداد بھی ہو اور یہ کہ سفر کر کے اُس کے لیے بیت اللہ الحرام پہنچنے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو۔

7۔ حج و عمرہ کے ایام

سوال: کیا اسلامی شریعت میں حج و عمرہ کے کوئی ایام مقرر ہیں؟

---

[16] دیکھیے: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم 15674۔

جواب: عمرہ کی تطوع عبادت کے لیے اسلامی شریعت میں کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ یہ پورے سال میں جب چاہے، کی جاسکتی ہے۔ حج کے لیے، البتہ ہمیشہ سے 8/ذوالحجہ سے 13/ذوالحجہ تک کے ایام مقرر رہیں، اِسی لیے یہ ہر سال صرف اِنھی ایام میں ادا ہوتا ہے۔

8۔ حج و عمرہ کے مقامات: شعائر و مشاعر

سوال: حج و عمرہ کے مقامات اور دین میں اُن کی حیثیت کیا ہے؟

جواب: مقاماتِ حج و عمرہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے 'شعائر' قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: 'اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ'[17]، ''بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرنے کے لیے آئیں، اُن پر کوئی حرج نہیں کہ وہ اِن دونوں کا طواف بھی کر لیں، (بلکہ یہ ایک نیکی کا کام ہے) اور جس نے اپنے شوق سے نیکی کا کوئی کام کیا تو اللہ اُسے قبول کرنے والا ہے، اُس سے پوری طرح باخبر ہے''۔

آیت میں 'شَعَآئِر' کے اِس لفظ کی وضاحت میں استاذ جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

> ''یہ 'شَعِيرة' کی جمع ہے، جس کے معنی علامت کے ہیں۔ اصطلاح میں اِس سے مراد وہ مظاہر ہیں جو کسی حقیقت کا شعور ذہنوں میں قائم رکھنے کے لیے اللہ و رسول کی طرف سے بہ طور ایک نشان کے مقرر کیے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِن کی تعظیم کی جائے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے''۔ (میزان 385)

سوال: اِن شعائر کی حقیقت کیا ہے؟ اِن کے حوالے سے ہم مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا

---

[17] البقرۃ2:158۔

چاہیے اور یہ کہ اِن کی تعظیم کا کیا مطلب اور حدود ہیں؟

جواب: اِس سوال کے مشمولات کے حوالے سے امام امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر "تدبرِ قرآن" میں نہایت عمدہ بحث کی ہے۔ امام اصلاحی لکھتے ہیں:

"اِن شعائر سے متعلق چند اصولی باتیں یاد رکھنی چاہییں:

ایک یہ کہ یہ شعائر، اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ ہیں۔ کسی دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے طور پر کسی چیز کو دین کے شعائر میں سے قرار دے دے یا جو چیز شعائر میں داخل ہے اس کو شعائر کی فہرست سے خارج کر دے۔ دین میں اس قسم کے من مانے تصرفات سے شرک و بدعت کی راہیں کھلتی ہیں جن قوموں نے اپنے جی سے شعائر قرار دیے، تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے اس طرح شرک و بت پرستی کی راہیں کھول دیں۔

دوسری یہ کہ جس طرح شعائر اللہ کے مقرر کردہ ہیں اسی طرح اسلام میں ان شعائر کی تعظیم کے حدود بھی خدا اور رسول ہی کے مقرر کردہ ہیں۔ جس شعیرہ کی تعظیم کی جو شکل شریعت میں ٹھہرا دی گئی ہے وہی اس حقیقت کے اظہار کی واحد شکل ہے جو اس شعیرہ کے اندر مضمر ہے، اس سے سرمو انحراف نہ صرف اس شعیرہ کی حقیقت سے انسان کو محروم کر دینے والی بات ہے بلکہ اس سے شرک و بدعت کے دروازے بھی کھل سکتے ہیں۔ فرض کیجیے کہ حجر اسود ایک شعیرہ ہے۔ اس کی تعظیم کے لیے اس کو حالت طواف میں بوسہ دینے یا اس کو ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چوم لینے یا اس کی طرف اشارہ کرنے کی شکلیں خود دین کے لانے والے کی طرف سے مقرر کر دی گئی ہیں۔ اگر کوئی شخص تعظیم کی صرف انھی شکلوں پر قناعت نہ کرے، بلکہ تعظیم شعائر اللہ کے جوش میں وہ اس پتھر کے آگے گھٹنے ٹیکنے لگے یا اس کے سامنے نذریں پیش کرنے لگے یا اس پر پھول نثار کرنے لگے یا اس طرح کی کوئی اور حرکت کرنے لگے تو ان باتوں سے وہ نہ صرف یہ کہ اس حقیقت سے بالکل دور ہو جائے گا جو اس شعیرہ کے اندر مضمر ہے بلکہ وہ شرک و بدعت میں بھی مبتلا ہو جائے گا۔

تیسری یہ کہ اِن شعائر میں اصل مطمح نظر وہ حقیقتیں ہوا کرتی ہیں جو ان کے اندر مضمر ہوتی ہیں۔ اِن حقیقتوں کے اظہار کے لیے یہ شعائر گویا قالب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے ملت کی زندگی کے لیے سب سے زیادہ ضروری کام یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں یہ حقیقتیں برابر زندہ اور تازہ رکھی جائیں۔ اگر یہ اہتمام سرد پڑ جائے تو دین کی اصل روح نکل جاتی ہے، صرف قالب باقی رہ جاتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ لوگوں کی اصل توجہ صرف قوالب پر مرکوز ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین صرف ایک مجموعہء رسوم بن کر رہ جاتا ہے۔"[18]

شعائر کے علاوہ حج و عمرہ کے اِن مقدس مقامات میں سے بعض کے لیے قرآن نے 'الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ' کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں، جیسا کہ میدانِ مزدلفہ کے لیے ارشاد فرمایا: 'فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ'،[19] "لیکن جب عرفات سے چلو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو"۔ چنانچہ اِسی بنا پر حج و عمرہ کے اِن مقامات کو 'مشاعر' بھی کہا جاتا ہے۔[20]

حج و عمرہ کی میقاتیں

سوال: حج و عمرہ کے اِن شعائر اللہ اور مشاعرِ مقدسہ کا مکمل تعارف کیسے حاصل کیا جائے؟

جواب: اِن سب کا تعارف اور محل وقوع کی تفصیل درج ذیل ہے:

---

[18] دیکھیے: امام امین احسن اصلاحی، تدبرِ قرآن 1/ 385۔

[19] البقرۃ 2:198۔

[20] دیکھیے: ابراہیم مصطفیٰ، احمد الزیات، حامد عبد القادر، محمد النجار، المعجم الوسیط، مجمع اللغۃ العربیۃ بالقاہرۃ 1/ 485۔

حج و عمرہ کی غرض سے بیت الحرام جانے والوں کے لیے حدودِ حرمِ مکی سے کچھ فاصلے پر چند مقامات متعین کر دیے گئے ہیں، جن سے آگے بڑھنے کے لیے احرام باندھنا شریعت میں ضروری قرار دیا گیا ہے۔

عازمین حج و عمرہ پر لازم ہے کہ وہ اِن مقامات پر یا اپنے راستے میں اِنھی کے محاذات میں کسی دوسرے مقام پر پہنچ کر اپنا احرام باندھ لیں۔ دین کی اصطلاح میں اِن مقامات کو 'میقات' کہا جاتا ہے۔ یہ میقاتیں پانچ ہیں، جن کا تعارف درج ذیل ہے:

1۔ ذُو الحُلَیْفَة: یہ مدینہ منورہ سے آنے والوں کی میقات ہے۔ مدینہ سے اِس کا فاصلہ چھ

حج و عمرہ کی میقاتوں کا نقشہ

سے سات میل کا ہے۔ آج کل اِس جگہ کو 'اَبْیَارعَلِی' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے شمالی جانب تقریباً 450 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

2۔ الجُحْفَة: یہ مصر و شام سے آنے والوں کے لیے ہے۔ رابغ شہر کے قریب میں واقع ہونے کی بنا پر لوگ آج کل رابغ سے احرام باندھتے ہیں۔ مکہ مکرمہ سے یہ میقات تقریباً 183 کلو میٹر کے فاصلے پر شمال مغرب میں واقع ہے۔

3۔ یَلَمْلَم: یہ یمن سے آنے والے حجاج و معتمرین کی میقات ہے۔ یہ ایک وادی ہے، جو مکہ مکرمہ سے جنوب میں تقریباً 120 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ آج کل اِس مقام کو 'السَّعْدِیَہ' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بحری سفر کرنے والے پاکستانی حجاج کا گزر اِسی میقات کے قریب سے ہوتا ہے۔

4۔ قَرْنُ المنازل: یہ نجد سے آنے والوں اور اہل طائف کی میقات ہے۔ یہ ایک پہاڑ ہے، جو مکہ مکرمہ سے تقریباً 75 کلو میٹر دور مشرقی جانب واقع ہے۔ اِس مقام کو آج کل 'السَّیْلُ الْکَبِیْر' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پاکستانی حجاج ہوائی سفر کرتے ہوئے اِسی میقات کے محاذات سے گزرتے ہیں۔

5۔ ذَاتُ عِرْق: یہ مشرق کی طرف سے آنے والوں، یعنی اہل عراق و ایران کی میقات ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے شمال مشرقی جانب تقریباً 100 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ آج کل اِس مقام کو 'الضَّرِیْبَۃ' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

حرمِ مکہ: اِس کے حدود اور حرمت

'حرم' سے مراد شہر مکہ کا وہ خاص حصہ ہے جو کعبۃ اللہ کے گرد کئی کلو میٹر تک پھیلا ہوا ہے اور جس کے حدود ہمیشہ سے بالکل متعین اور معروف ہیں۔ اِس پورے علاقے میں انسانوں

یا جانوروں، بلکہ خود رو پودوں کو بھی نقصان پہنچانا خاص طور پر ممنوع قرار دیا ہے۔

اِس حرم کے حدود بیت اللہ کے مشرقی جانب جعرانہ کی طرف ساڑھے چودہ کلومیٹر تک وسیع ہیں۔ شمالی سمت میں تنعیم کی طرف یہ 5 کلومیٹر تک محیط ہے۔ مغربی سمت میں حدیبیہ کے محلہ کی طرف یہ 18 کلومیٹر تک پہنچی ہوئی ہے، جب کہ جنوبی سمت میں عرفات کی جانب یہ حد 20 کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہے۔

استاذ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

”قرآن نے ’حَرَمًا آمِنًا‘،[21] اور ’مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا‘[22] کے الفاظ میں حرمِ مکہ کی یہی حیثیت و حرمت بیان فرمائی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ’إن هذا البلد حرمه الله يوم خلق السماوات والارض، فهو حرام بحرمة الله إلى يوم القيامة، وإنه لم يحل القتال فيه لاحد قبلي، ولم يحل لي إلا ساعه من نهار، فهو حرام بحرمة الله إلى يوم القيامه، لا يعضد شوكه، ولا ينفر صيده، ولا يلتقط إلا من عرفها، ولا يختلى خلاها‘[23]، ”یہ وہ شہر ہے جسے اللہ نے اُس دن سے حرام ٹھیرایا ہے، جب اُس نے زمین و آسمان پیدا فرمائے تھے۔ لہٰذا اللہ کی قائم کردہ اِسی حرمت کی وجہ سے یہ قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ مجھ سے پہلے کسی شخص کو اِس میں قتال کی اجازت نہیں دی گئی۔ میرے لیے بھی یہ دن کی ایک گھڑی ہی کے لیے حلال کیا گیا۔ چنانچہ اللہ کی قائم کردہ اِسی حرمت کی وجہ سے یہ اب بھی قیامت تک حرام ہی رہے گا، نہ اِس کے کانٹوں والے درخت کاٹے جائیں گے، نہ اِس کے شکار کو بھگایا جائے گا، نہ اِس میں گری ہوئی کوئی چیز اٹھائی جائے گی، الاّیہ کہ کوئی

---

[21] القصص 57:28 ”حرمت والا مقام امن۔“

[22] البقرۃ 125:2۔ ”لوگوں کا مرجع اور اُن کے لیے پناہ کی جگہ۔“

[23] صحیح مسلم، رقم 1353۔

اُسے مالک تک پہنچانے کے لیے اٹھائے، اور نہ اِس کی گھاس کاٹی جائے گی۔"[24]

حرم مکی اور اِس کے حدود

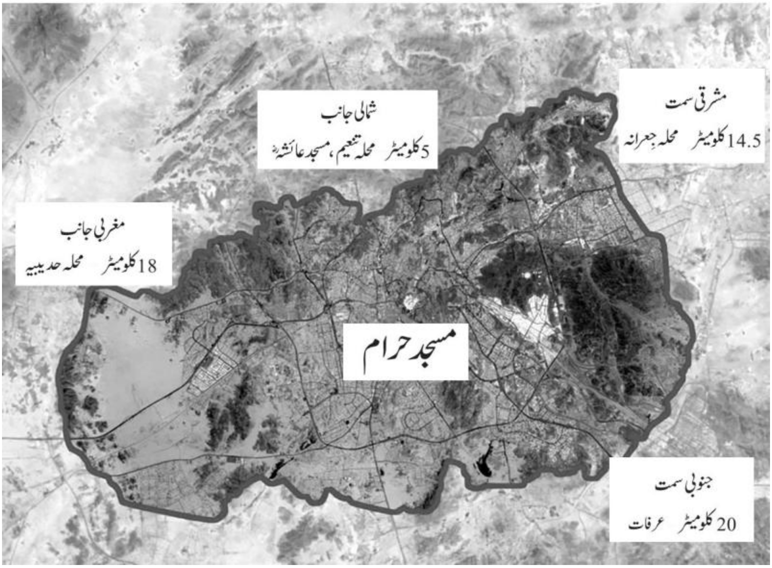

بیت اللہ الحرام

یہ وہی معبد ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں متعدد ناموں سے ہوا ہے۔ قرآن نے اِس معبد کو 'اَلْبَیْت'، 'اَلْبَیْتِ الْعَتِیْقِ' اور 'اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ' کے مختلف ناموں سے ذکر کیا

---

[24] جاوید احمد غامدی، میزان 387-388۔

ہے۔[25] اِس کی عمارت چونکہ مکعب ہے، یعنی وہ اپنی ہر سمت سے مربع (Square) کی شکل رکھتی ہے، اِس لیے لوگ اِسے 'کعبہ' بھی کہتے ہیں۔[26] حج وعمرہ میں اِسی معبد کا طواف کیا جاتا ہے۔ یہ معبد سرزمین عرب کے شہر مکہ میں واقع ہے۔ قرآن مجید میں اِس شہر کا ذکر ''بَکَّۃ'' کے نام سے بھی آیا ہے، جس کے معنی آباد بستی کے ہیں۔ سطح سمندر سے اِس کی بلندی تقریباً 277 میٹر ہے اور یہ ہر طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔

حَطِیم

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کم وبیش پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے، جب قریش نے بیت اللہ کی تعمیر نو کے لیے مالی بندوبست کیا تو اُن کے پاس سرمایہ کم پڑ جانے کے باعث کعبے کی عمارت کو اصل ابراہیمی بنیادوں پر مکمل طور پر قائم نہیں کیا جا سکا۔ چنانچہ بیت اللہ کے اصل عمارت سے باہر رہ جانے والے حصے کو 'حطیم' کہا جانے لگا۔ تاریخی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبۃ اللہ کی اِس تعمیر کے بعد حجرِ اسود کو دوبارہ اپنی جگہ پر نصب کرنے کا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تدبیر سے طے ہوا۔[27]

روایتوں میں نقل ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے فرمایا کہ اگر قریش کی تالیفِ قلب ملحوظ نہ ہوتی تو بیت اللہ کی عمارت سے باہر رہ جانے والے حصے کو، جو 'حطیم' کہلاتا ہے، آپ اِس کو اصل عمارت میں شامل کر

---

[25] الحج 22:25، 26، 29۔

[26] المائدۃ 5:95، 97۔

[27] دیکھیے: السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام 1/ 192۔

کے کعبۃ اللہ کو اصل ابراہیمی بنیادوں پر قائم کر دیتے۔[28]

حجر اسود اور ارکانِ کعبہ

حجرِ اَسوَد سیاہ رنگ کا ایک پتھر ہے جو ہمیشہ سے کعبۃ اللہ کی عمارت کے مشرقی کونے میں عام انسانی قد کی اونچائی پر نصب ہے۔ اِس سے آگے عمارت کے شمالی کونے کو 'رُکن عراقی'، مغربی کونے کو 'رُکن شامی' اور جنوبی کونے کو 'رُکن یمانی' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

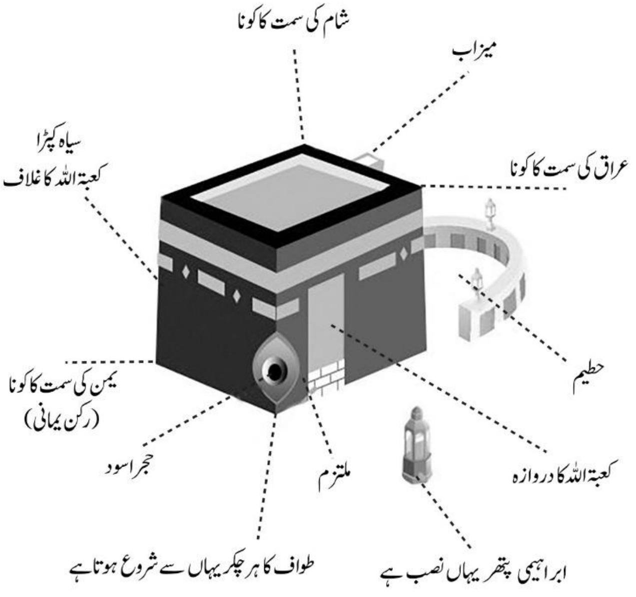

[28] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1506،1508۔

بیت اللہ کا دروازہ، ملتزَم اور غلاف

بیت اللہ کا دروازہ حجرِ اسود اور ر'رُکن عراقی' کے مابین اِس کی دیوار میں واقع ہے۔اِس دروازے کی چوکھٹ کا نیچے والا حصہ زمین سے تقریباً دو میٹر اونچائی پر ہے۔اِس کے اور حجرِاسود کے درمیان کی دیوار کو 'ملتزَم' کہا جاتا ہے، جو گویا آستانۂ الٰہی کی دہلیز ہے۔ بیت اللہ کے زائرین دیوار کے اِس حصے سے چمٹ کر دعائیں کرتے ہیں، جس کی بنا پر ہی اِسے 'ملتزَم' کہتے ہیں۔کعبے کی عمارت پر ہر سال سیاہ کپڑے کا ایک نیا غلاف ڈالا جاتا ہے۔

ابراہیمی پتھر اور زمزم

کعبۃ اللہ کی عمارت کے صحن میں ایک مقام پر شیشے کے ایک حفاظتی خول میں خاکستری رنگ کا ایک پتھر رکھا ہوا ہے، جسے بالعموم 'مقامِ ابراہیم' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کی دیواریں بلند کی تھیں تو اِسی پتھر پر کھڑے ہو کر کی تھیں۔[29] اِس سے کچھ فاصلے پر ایک قدرتی چشمہ بھی ہے جسے 'زمزم' کہا جاتا ہے۔ بیت اللہ کے زائرین اِسی چشمے سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔

صفا و مروہ

صفا اور مروہ بیت اللہ کے قریب میں واقع دو پہاڑیاں ہیں، جن کے مابین بھی حج و عمرہ کے موقع پر طواف کیا جاتا ہے، جسے عام طور پر 'سعی' کہا جاتا ہے۔ صفا کی پہاڑی بیت اللہ سے

[29] دیکھیے: الازرقی، اخبار مکۃ 1/59۔

130 میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اِن دونوں پہاڑیوں کے مابین تقریباً 395 میٹر کا فاصلہ ہے۔

صفا و مروہ کے شعائر اللہ میں سے ہونے کی وجہ عام طور پر تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ اِنھی دونوں پہاڑیوں کے درمیان سیدہ ہاجرہ نے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے لیے پانی کی تلاش میں تگ ودو کی تھی۔ تاہم امام فراہی رحمہ اللہ نے اِس باب میں اپنی تحقیق میں بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ اصل قربان گاہ، جہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کی، یہی 'مروہ' ہے جس کا ذکر تورات میں آیا ہے، لیکن یہود نے بیت اللہ سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تعلق کاٹ دینے کے لیے تحریف کر کے اس لفظ کو کچھ سے کچھ کر دیا۔ چنانچہ جاننا چاہیے کہ یہ واقعہ دراصل اِن دونوں میں سے ایک پہاڑی 'مروہ' پر پیش آیا تھا، لیکن یہود نے اپنے صحیفوں میں اِس مقام کا تعلق ابراہیم علیہ السلام سے کاٹ دینے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اِس لحاظ سے یہ بات متحقق ہوتی ہے کہ چونکہ سیدنا ابراہیم نے صفا و مروہ کے مابین اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں یہ فرماں بردارانہ اور غلامانہ سرگرمی دکھائی، اِس وجہ سے ان دونوں پہاڑیوں کو شعائر اللہ میں سے قرار دے دیا گیا اور اِن کی سعی کی یادگار ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دی گئی۔ اِس کی

تفصیلات امام حمید الدین فراہی کی کتاب ”الرأی الصحیح فی من ھو الذبیح“ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

اِس لحاظ سے یہی اصل قربان گاہ ہے، جسے حجاج کی سہولت کے لیے منیٰ تک وسعت دے دی گئی ہے۔ اِس قربان گاہ کے طواف میں ہر پھیرا ’صفا‘ سے شروع ہو کر ’مروہ‘ پر ختم ہوتا ہے۔ اصطلاح میں اِسے ’سعی‘ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ لوگ جو اِس گھر کا حج یا عمرہ کرنے کے لیے آئیں، اُن پر کوئی حرج نہیں کہ وہ اِن دونوں کا طواف بھی کر لیں۔[30]

یہ اِس لیے فرمایا ہے کہ یہود نے جب صفا و مروہ کا تعلق سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کاٹ دینے کی کوشش کی تو اِس کے ساتھ یہ بات بھی لازماً کہی ہو گی کہ اِن پہاڑیوں کے درمیان سعی محض ایک مشرکانہ بدعت ہے، دین ابراہیمی سے اِس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ قرآن نے یہ اِسی کی تردید میں واضح کیا ہے کہ اِن کا طواف کر لینے میں ہرگز کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مشروع عبادت ہے اور اِس لیے یقیناً نیکی اور خیر کا کام ہے، جو اگر شوق سے کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اُسے قبول فرمائے گا۔

منیٰ

مکہ مکرمہ سے مشرقی جانب دو پہاڑیوں کے درمیان یہ ایک وسیع میدان ہے، جس کا رقبہ سوا آٹھ مربع کلومیٹر کے قریب ہے۔ بیت الحرام سے منیٰ کا فاصلہ تقریباً سات کلومیٹر ہے۔ 8/ ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ سے یہاں پہنچنے کے بعد اور 10/ ذوالحجہ کو عرفات سے واپسی پر حجاج اِسی میدان میں قیام کرتے ہیں اور ایامِ تشریق میں یہیں حج کے آخری مناسک ادا کرتے ہیں۔

---

[30] دیکھیے: البقرۃ 2: 158۔

عرفات

منیٰ سے تقریباً 17 کلو میٹر کے فاصلے پر ایک وسیع میدان واقع ہے جسے ’عرفات‘ کہا جاتا ہے۔ یومِ عرفہ ، یعنی 9 / ذوالحجہ کو تمام عازمین حج یہاں غروبِ آفتاب تک وقوف کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا امام یہاں ظہر کے وقت اُنھیں حج کا خطبہ دیتا ہے۔

مزدلفہ

یہ منیٰ اور عرفات کے مابین واقع ایک میدان ہے۔ عرفات سے واپسی کے بعد حجاج اِسی میدان میں رات گزارتے ہیں۔ یہ میدان 12 مربع کلو میٹر پر محیط ہے۔ بیت الحرام سے مزدلفہ کا فاصلہ تقریباً دس کلو میٹر ہے۔ یہ میدان منیٰ سے عرفات جانے والوں کے راستے میں

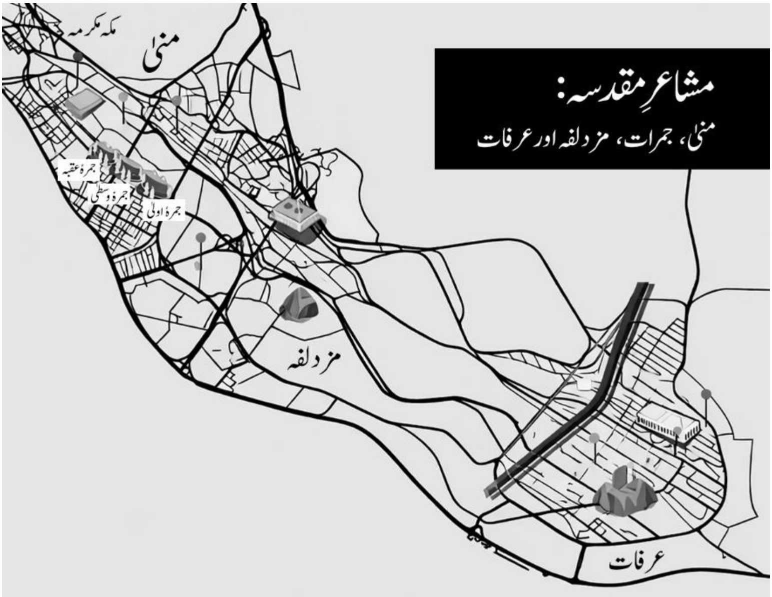

آتا ہے۔ عرفات سے واپسی پر حدودِ حرم یہاں 'قُزَح' نامی ایک پہاڑ سے شروع ہوتے ہیں، اِس لیے اُسے 'المشعر الحرام' کہا جاتا ہے۔ مزدلفہ سے عرفات کے مابین فاصلہ تقریباً 6 کلومیٹر ہے۔

جمرات

'جمرات' سے مراد وہ تین ستون ہیں جو منیٰ کے میدان میں ہمیشہ سے اپنے متعین مقامات پر نصب ہیں، جنھیں شیطان کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔ مزدلفہ سے منیٰ کی طرف آتے ہوئے جو ستون سب سے پہلے واقع ہے، اُسے 'جمرۂ اُولیٰ' یا 'جمرۂ صُغریٰ' کہا جاتا ہے۔ یہ مسجدِ خیف کے قریب میں واقع ہے۔ پھر اِسی سمت میں 135 میٹر کے فاصلہ پر جو ستون اِس کے بعد واقع ہے، اُسے 'جمرۂ وسطیٰ' کہتے ہیں۔ اِس کے بعد اِسی رخ پر 225 میٹر کی مسافت پر واقع آخری ستون، جو تینوں جمرات میں مکہ مکرمہ سے قریب تر ہے، 'جمرۂ عَقبہ' یا 'جمرۂ کبریٰ' کے نام سے موسوم ہے۔ 10 / ذوالحجہ کے دن اور ایام تشریق میں حجاج اِنھی ستونوں پر سنگ باری کرتے ہیں۔

باب دوم

حج و عمرہ کے مناسک

مناسکِ عمرہ —— اجمالی بیان

سوال: اسلامی شریعت میں عمرہ کے مناسک اور اِن کا طریقہ و ترتیب کیا ہے؟[31]

جواب: عمرہ کے مناسک اور اسلامی شریعت میں اِس کا جو طریقہ مقرر کیا گیا ہے، ذیل میں اُس کو پہلے اجمالاً سمجھ لیجیے:

- عمرہ کی نیت سے اِس کا احرام باندھا جائے اور تلبیہ کا وِرد شروع کیا جائے۔
- بیت اللہ میں حجرِ اسوَد کے پاس پہنچنے تک تلبیہ کا وِرد جاری رکھا جائے۔
- وہاں پہنچ کر حجرِ اسود کا استلام کیا جائے۔
- پھر بیت اللہ کا طواف کیا جائے۔
- اِس کے بعد صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے مابین سعی کی جائے۔

---

[31] باہر سے جانے والے حجاج اپنے حج کے سفر میں مکہ مکرمہ پہنچ کر بالعموم پہلے عمرہ ادا کرتے ہیں، اِس لیے عمرہ کے بیان کو اِس کتاب میں مقدم رکھا گیا ہے۔

- ہدی کے جانور اگر ساتھ ہوں تو اُن کی قربانی کی جائے۔[32]
- مرد اپنا سر منڈا کر یا حجامت کرا کے، جب کہ عورتیں اپنی چوٹی کے آخر سے کچھ بال کاٹ کر احرام کھول دیں۔

اسلامی شریعت میں عمرہ کے یہ مناسک اور طریقہ وترتیب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کے علمی اتفاق اور عملی تواتر سے ثابت ہیں۔

مناسک عمرہ —— تفصیلی بیان

اب ذیل میں مناسکِ عمرہ اور اِن کی ادائیگی کا طریقہ قارئین کی خدمت میں بالتفصیل پیش کیا جائے گا:

1۔ احرام کی تعریف اور شریعت

سوال: حج وعمرہ میں 'احرام' کسے کہتے ہیں؟ اِس کے معنی اور اِس کی شریعت کیا ہے؟

جواب: حج وعمرہ میں 'احرام' ایک اصطلاح ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ حج یا عمرہ کرنے والے نے اِس عبادت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ چند پابندیاں اختیار کرلی ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

---

[32] عمرہ کی یہ قربانی تطوع ہے، لازم نہیں ہے۔ اور جدید تمدن میں ہوائی اور بحری جہازوں کے جدید سفری ذرائع کی وجہ سے اِس پر عمل اب کم وبیش نہ ہونے کے برابر ہو گیا ہے، ورنہ قدیم زمانے میں حج اور عمرہ، دونوں میں یہ نفل قربانی بہ کثرت کی جاتی تھی۔

مرد و عورت کے لیے یکساں پابندیاں

سوال: احرام کی وہ پابندیاں کیا ہیں جن کا خیال مرد و عورت، دونوں کو رکھنا لازم ہے؟

جواب: وہ پابندیاں درجِ ذیل ہیں:

- جنسی نوعیت کا کوئی فعل ہی نہیں، بلکہ شہوت کی کوئی بات بھی نہیں کی جاسکتی۔
- عقدِ نکاح کیا جاسکتا ہے، نہ کسی کا نکاح کرایا جاسکتا ہے۔
- زیب وزینت کی کوئی چیز، مثلاً خوش بو اور میک اپ وغیرہ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم احرام کی نیت سے پہلے جسم پر خوش بو لگانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے ثابت ہے، خواہ اِس کا اثر نیت کے بعد بھی باقی رہے۔
- ناخن نہیں تراشے جاسکتے۔
- جسم کے کسی حصے کے بال نہیں اُتارے جاسکتے۔
- خشکی کا شکار نہیں کیا جاسکتا۔ خوراک کی ضرورت کے لیے سمندری شکار، البتہ اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے۔

صرف مردوں کے ساتھ خاص پابندیاں

سوال: احرام کی وہ پابندیاں کون سی ہیں جن کی رعایت شریعت میں صرف مردوں پر لازم کی گئی ہے؟

جواب: ایسی ممنوعات تین طرح کی ہیں:

- مرد سلے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتے۔ اِس کے بجائے وہ ایک چادر تہ بند کے طور پر باندھیں گے اور ایک اوڑھ لیں گے۔
- مرد اپنے سر اور چہرے کو کھلا رکھیں گے۔ یعنی وہ نہ سر پر کوئی ٹوپی، عمامہ یا رومال

وغیرہ پہن سکتے ہیں اور نہ چہرے پر نقاب ڈال سکتے ہیں۔

- مرد اپنے پاؤں کا ٹخنوں سے اوپر کا حصہ لازماً کھلا رکھیں گے۔ یعنی وہ کوئی ایسا جوتا یا موزہ نہیں پہن سکتے جو ٹخنوں کو چھپاتا ہو۔

صرف عورتوں کے ساتھ خاص پابندیاں

سوال: احرام کی وہ ممنوعات کیا ہیں جو صرف عورتوں پر لازم کی گئی ہیں؟

جواب: عورتوں کے لیے حالتِ احرام میں اپنا چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنا ضروری ہے۔ یعنی وہ اپنے چہرے پر نقاب اور ہاتھوں پر دستانے نہیں پہن سکتیں۔

2۔ عمرہ میں احرام باندھنے کا مقام

سوال: عمرہ کا احرام کہاں باندھا جائے؟

جواب: اسلامی شریعت کے مطابق باہر سے آنے والے عازمین عمرہ کا احرام اپنی میقات سے باندھیں گے۔ مکہ مکرمہ میں مقیم لوگ، خواہ وہ مکی ہوں یا عارضی طور پر مکہ میں ٹھیرے ہوئے ہوں، عمرہ کا احرام حدودِ حرم سے باہر جا کر قریب کی کسی بھی جگہ سے باندھ سکتے ہیں۔ اور جو لوگ حِل کے علاقے میں، یعنی حدودِ حرم سے باہر، لیکن میقاتوں کے حدود کے اندر کہیں مقیم ہوں، اُن کی میقات وہی مقام ہے، جہاں وہ رہتے ہیں، لہٰذا وہ اپنا احرام وہیں سے باندھیں گے۔

3۔ تلبیہ

سوال: تلبیہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: مناسکِ حج و عمرہ کی اصطلاح میں تلبیہ سے مراد اِن کلمات کا ورد ہے: 'لبیك، اللّٰهم لبيك؛ لبيك لا شريك لك، لبيك؛ إن الحمد، والنعمة، لك والملك؛ لا شريك لك'۔ یہ تنہا ذکر ہے، جس کا آغاز اِن دونوں عبادتوں میں احرام باندھتے ہی ہو جاتا ہے۔ پھر بیت اللہ میں پہنچنے تک یہ مسلسل جاری رہتا ہے۔ حج و عمرہ کی شریعت میں تنہا اِسی ذکر کو عازمین بیت اللہ کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

تلبیہ کے اِس وِرد کا ترجمہ یہ ہے: ''میں حاضر ہوں، اے اللہ، حاضر ہوں؛ حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں؛ میں حاضر ہوں، حمد تیرے لیے ہے، سب نعمتیں تیری ہیں اور بادشاہی بھی تیرے ہی لیے ہے؛ تیرا کوئی شریک نہیں''۔

4۔ طوافِ بیت اللہ اور اِس کا طریقہ

سوال: طوافِ بیت اللہ سے کیا مراد ہے اور اِس کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: اصطلاح میں طواف سے مراد بیت اللہ کے وہ سات پھیرے ہیں جو جسم اور لباس کی طہارت کے ساتھ کعبۃ اللہ کے گرد لگائے جاتے ہیں۔[33] یہ پھیرے بیت اللہ کو اپنی بائیں جانب رکھ کر لگائے جاتے ہیں۔ اِن میں سے ہر چکر حجرِ اسوَد سے شروع ہوتا اور اُسی پر ختم ہوتا ہے اور ہر چکر کے آغاز میں اِس پتھر کا 'اِستلام' کیا جاتا ہے۔

سوال: حجرِ اسود کے 'اِستِلام' کا مطلب اور طریقہ کیا ہے؟

جواب: 'استلام' اُس عمل کے لیے اصطلاح ہے جس میں حجرِ اسود کو بوسہ دیا جاتا ہے یا

[33] کیا حج و عمرہ میں طواف بیت اللہ کے لیے باوضو ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اِس مسئلے کی تفصیل اِس کتاب میں آگے ''اہم فقہی مسائل اور اُن کا حل'' کے زیرِ عنوان بیان ہو گی۔

اُس کو ہاتھ سے چھو کر اپنے ہاتھ کو چوم لیا جاتا ہے۔ ہجوم کی وجہ سے یہ اگر ممکن نہ ہو تو ہاتھ، چھڑی یا کسی اور چیز کے ذریعے سے اِس پتھر کی طرف اشارہ کر دینا بھی استلام کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے۔

ہر استلام کے موقع پر تکبیر، یعنی 'اللہ اکبر' کہنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے ثابت ہے۔[34] طواف کرتے ہوئے 'رکن یمانی' کو صرف ہاتھ سے چھونا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض روایتوں میں نقل ہوا ہے۔[35]

5۔ سعی کا طریقہ

سوال: صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے مابین طواف کا کیا طریقہ مشروع کیا گیا ہے؟

جواب: سنت میں صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے مابین اِس طواف کے بھی سات پھیرے مقرر ہیں، جن میں سے ہر پھیرا 'صفا' سے شروع ہو کر 'مروہ' پر ختم ہوتا ہے۔ اصطلاح میں اِسے 'سعی' کہتے ہیں۔ صفا سے مروہ تک جانا ایک چکر، جب کہ مروہ سے واپس صفا تک آنا دوسرا چکر شمار ہوتا ہے۔ شریعت کی بتائی ہوئی اِس ترتیب کے مطابق ساتواں اور آخری پھیرا جبلِ مروہ پر ختم ہوتا ہے۔

6۔ ہدی کی قربانی

اصطلاح میں 'ہدی' اُن جانوروں کو کہا جاتا ہے جو حج، عمرہ یا عید الاضحیٰ وغیرہ کے موقع پر

---

[34] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 4987۔

[35] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1606، 1526۔ صحیح مسلم، رقم 1267، 1268۔

حرمِ مکی میں قربانی کے لیے خاص کیے گئے ہوں۔ دوسرے جانوروں سے امتیاز قائم رکھنے کے لیے اِن کے جسم پر نشان لگایا جاتا اور گلے میں پٹا ڈالا جاتا ہے۔ 'اَلْقَلَآئِدَ' کا لفظ قرآن نے اِنھی کے پٹوں کے لیے استعمال کیا ہے۔[36] جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، عمرہ میں ہدی، یعنی قربانی کا جانور اپنے ساتھ لے کر جانا بھی اِس کے مناسک میں ایک پسندیدہ سنت ہے، جیسا کہ واقعۂ صلح حدیبیہ کے سال عمرہ کی نیت سے جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا تھا۔[37] یہ بھی عمرہ کے لازمی مناسک میں سے نہیں ہے۔ تاہم عمرہ کرنے والے ہدی کا جانور اگر ساتھ لے کر حرمِ مکہ آئیں تو وہ عمرہ میں یہ قربانی صفا و مروہ کی سعی کے بعد اور حلق یا قصر سے پہلے کریں گے۔

7۔ حلق و قصر

جو لوگ عمرہ میں قربانی کا جانور ساتھ لے کر نہیں آتے، جیسا کہ آج کے جدید تمدن میں اب بالعموم یہی رواج ہے، وہ سعی کے بعد مناسکِ عمرہ کے آخری عمل کے طور پر اپنے سر منڈائیں گے یا پورے سر کی حجامت کرائیں گے اور عورتیں اپنے بالوں کے آخر سے تھوڑے بال کاٹ کر احرام کھول دیں گی۔ اِس کے ساتھ ہی عمرہ مکمل ہو جاتا ہے۔

مناسکِ حج ــــ اجمالی بیان

سوال: اسلامی شریعت میں مناسکِ حج اور اِس کا طریقہ و ترتیب کیا ہے؟

---

[36] دیکھیے: المائدہ 5:2، 97۔

[37] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 3926۔ مسندِ احمد، رقم 18920۔

جواب: حج کے مناسک اور اسلامی شریعت میں اِس کا جو طریقہ مقرر کیا گیا ہے، ذیل میں اِسے پہلے ہم قارئین کے لیے مختصراً پیش کریں گے تاکہ تمام مناسک کی ایک اجمالی تصویر پہلے واضح ہو جائے:

- 8 / ذوالحجہ کو حج کی نیت سے اِس کا احرام باندھا جائے اور تلبیہ کا وِرد شروع کیا جائے۔
- 8 / ذوالحجہ کو منیٰ پہنچ کر وہاں قیام کیا جائے۔
- 9 / ذوالحجہ کی صبح تلبیہ پکارتے ہوئے حجاج میدانِ عرفات پہنچیں اور غروب آفتاب تک اُسی میدان میں وقوف کریں۔
- 9 / ذوالحجہ کو غروبِ آفتاب کے بعد حجاج تلبیہ کے ورد کے ساتھ مزدلفہ کے لیے روانہ ہوں اور وہاں پہنچ کر رات کو اُسی میدان میں وقوف کریں۔
- 10 / ذوالحجہ کی صبح دوبارہ منیٰ میں داخل ہوں اور جمرۂ عقبہ کے پاس پہنچ کر تلبیہ کا ورد موقوف کر دیں اور اُس جمرے کی رمی کریں۔
- پھر اُسی دن قربانی کی جائے، سر کا حلق یا قصر کرایا جائے اور اگر میسر ہو تو بیت الحرام پہنچ کر حج کا طواف اور سعی کی جائے۔
- 11 اور 12 / ذوالحجہ کو منیٰ ہی میں قیام کرتے ہوئے تینوں جمرات کی رمی کی جائے۔
- جسے اللہ توفیق دے تو افضل یہ ہے کہ وہ 13 / ذوالحجہ تک منیٰ میں قیام کرے اور اُس دن بھی تینوں جمرات کی رمی کر کے حج سے فارغ ہو۔

اسلامی شریعت میں حج کے یہ مناسک اور طریقہ وترتیب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

سے مسلمانوں کے علمی اتفاق اور عملی تواتر سے ثابت ہیں۔

مناسکِ حج ـــــ تفصیلی بیان

اب ذیل میں مناسکِ حج اور اِن کی ادائیگی کا طریقہ قارئین کی خدمت میں بالتفصیل پیش کیا جائے گا۔

1۔یوم الترویہ 8 / ذوالحجہ کے مناسک

احرام

سوال: مناسکِ حج ہر سال کس تاریخ کو شروع ہوتے ہیں اور اِس عبادت کی ابتدا کس عمل سے کی جاتی ہے؟

جواب: اسلامی شریعت کے مطابق حج کے مناسک کی ابتدا یوم الترویہ، یعنی 8 / ذوالحجہ کی صبح کو ہوتی ہے اور عمرہ کی طرح حج میں بھی پہلا کام احرام باندھنے کا ہوتا ہے۔'احرام' کے معنی کیا ہیں، اِس کی ممنوعات اور مباحات کیا ہیں؛ پیچھے مناسکِ عمرہ کے تحت ہم اس کی تفصیل بیان کر چکے ہیں۔حج اور عمرہ، دونوں میں احرام کی شریعت بالکل یکساں ہے۔

احرامِ حج کا مقام

سوال: حج کا احرام کس مقام پر باندھا جائے گا؟

جواب: مکہ مکرمہ میں مقیم لوگ، خواہ وہ مکہ کے رہنے والے ہوں یا عارضی طور پر وہاں

ٹھیرے ہوئے ہوں یا وہ لوگ جو حدودِ حرم سے باہر ہوں، لیکن میقاتوں کے حدود کے اندر کہیں مقیم ہوں،؛احرامِ حج کے لیے اِن سب کی میقات وہی مقام ہے، جہاں وہ رہتے ہیں۔ یہ اپنا احرام وہیں سے باندھیں گے۔ باہر سے آنے والے حجاج، البتہ حج کا یہ احرام اپنی اپنی میقات یا اُس کے محاذات سے باندھیں گے۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ آفاقی حاجی اگر حج کی نیت سے بیت الحرام جا رہا ہے تو اُس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی میقات یا اُس کی محاذات سے حج کی نیت سے اُس کا احرام باندھ لے۔ پھر اگر وہ 8 / ذو الحجہ ہی کو بیت الحرام پہنچ رہا ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ تلبیہ پکارتے ہوئے براہِ راست میدانِ منیٰ پہنچ کر اپنے مناسکِ حج کا آغاز کرے۔ اور اگر ابھی یوم الترویہ آنے میں کچھ وقت یا دن باقی ہیں تو اُس صورت میں وہ احرامِ حج کی پابندیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں رہ سکتا ہے۔

تلبیہ

سوال: یوم الترویہ کو نیتِ حج کے ساتھ احرام باندھنے کے بعد کیا عمل مشروع ہے؟

جواب: نیت اور احرامِ حج کے ساتھ تلبیہ کا وِرد شروع کیا جائے گا، جیسا کہ عمرہ کی شریعت میں بھی ہم بیان کر چکے ہیں۔

قیامِ منیٰ

سوال: اِس کے بعد حجاج کو اِس دن مزید کیا عمل کرنا ہوتا ہے؟

جواب: تلبیہ کا ترانہ پکارتے ہوئے حجاج منیٰ کے لیے روانہ ہوں اور ظہر سے پہلے وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالیں اور اگلے دن کی صبح وہیں قیام کریں۔

2۔ یومِ عرفہ 9/ذوالحجہ کے مناسک

سوال:9/ذوالحجہ کے مناسک کیا ہیں؟

جواب: یومِ عرفہ، یعنی 9/ذوالحجہ کی صبح حجاج تلبیہ کا ورد جاری رکھتے ہوئے عرفات کے لیے روانہ ہوں اور وہاں پہنچ کر غروب آفتاب تک وہیں وقوف کیا جائے۔ عرفات میں امام ظہر کی نماز سے پہلے حج کا خطبہ دے، پھر ظہر اور عصر کی نماز جمع اور قصر کرکے پڑھی جائے۔ نماز سے فارغ ہو کر جتنی دیر کے لیے ممکن ہو، اللہ تعالیٰ کے حضور میں تسبیح و تحمید، تکبیر و تہلیل اور دعا و مناجات کی جائے اور تلبیہ کا ورد جاری رکھا جائے۔ غروب آفتاب کے بعد تلبیہ کا ترانہ پکارتے ہوئے حجاج مزدلفہ کے لیے روانہ ہوں۔ وہاں پہنچ کر مغرب اور عشا کی نماز جمع اور قصر کرکے پڑھی جائے۔ پھر اُس رات کو مزدلفہ کے اِسی میدان میں وقوف کیا جائے۔

3۔ یوم النحر 10/ذوالحجہ کے مناسک

سوال:10/ذوالحجہ کے مناسک کی کیا تفصیل وترتیب ہے؟

جواب: یوم النحر، یعنی 10/ذوالحجہ کو فجر کی نماز کے بعد مزدلفہ میں بھی تھوڑی دیر کے لیے عرفات ہی کی طرح تسبیح و تحمید، تکبیر و تہلیل اور دعا و مناجات کی جائے اور تلبیہ کا ورد جاری رکھا جائے۔ پھر حجاج منیٰ کے لیے روانہ ہوں اور وہاں 'جمرۂ عقبہ' کے پاس پہنچ کر تلبیہ کا ورد موقوف کر دیں اور پھر اِس جمرے کو سات کنکریاں ماری جائیں۔ ہدی کے جانور ساتھ ہوں یا فدیہ یا نذر کی کوئی قربانی واجب ہو چکی ہو تو یہ قربانی کی جائے۔ پھر مرد سر منڈا کر یا پورے سر کی حجامت کرا کے اور عورتیں اپنی چوٹی کے آخر سے تھوڑے سے بال کاٹ کر اپنا

احرام کھول لیں۔ اِس کے بعد بیت اللہ پہنچ کر حج کا طواف کیا جائے۔ اِس طواف کو اصطلاح میں ”طواف الاِفاضۃ“ یا ”طواف الزیارۃ“ کہا جاتا ہے۔ احرام کی تمام پابندیاں اِس طواف کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ اِس طواف کے بعد صفا و مروہ کی سعی کی جائے۔

4۔ ایامِ تشریق کے مناسک

سوال: اِس کے بعد حج کے بقیہ مناسک اور اُن کی ترتیب کیا ہو گی؟

جواب: یوم النحر کے بعد کے تین دنوں، یعنی 11، 12 اور 13 / ذوالحجہ کو ’ایامِ تشریق‘ کہا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے واپس منیٰ پہنچ کر کم از کم دو دن، یعنی 11 اور 12 / ذوالحجہ کو منیٰ میں قیام کیا جائے اور ہر دن پہلے ’جمرۂ اولیٰ‘، پھر ’جمرۂ وسطیٰ‘ اور اُس کے بعد ’جمرۂ عقبہ‘؛ ہر ایک کو سات سات کنکریاں ماری جائیں۔ جن حجاج کو اللہ توفیق دے تو افضل یہ ہے کہ وہ 13 / ذوالحجہ تک منیٰ میں قیام کریں اور اِس تیسرے دن بھی اِسی ترتیب سے تینوں جمرات کی رمی کریں۔ البتہ جو حجاج چاہیں، وہ 12 / ذوالحجہ کی رمی کے بعد ہی منیٰ سے رخصت ہو سکتے ہیں۔ ایامِ تشریق میں قیام منیٰ اور اِس طرح جمرات کی رمی کے ساتھ مناسکِ حج پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں۔

مناسکِ حج و عمرہ کا ماخذ اور ثبوت

سوال: حج و عمرہ سے متعلق اسلامی شریعت کے مندرجہ بالا مناسک ہم تک کس ذریعے سے پہنچے ہیں، دین میں اِن کا ماخذ کیا ہے؟

جواب: دین اسلام کی تاریخ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے حج و عمرہ کے یہی مناسک چلے آرہے ہیں۔ قرآن مجید نے بھی اِن میں کوئی تبدیلی نہیں کی، صرف اتنا کیا ہے

کہ جاہلی دور کی رائج شدہ بعض بدعتوں کی اصلاح کی اور بعض فقہی مسائل کی توضیح فرما دی ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ماننے والوں میں اِن دونوں عبادات کو سنت کے طور پر جاری فرمایا ہے، اور آپ کے صحابہ نے اپنے عملی تواتر اور علمی اتفاق سے اِنھیں آگے مسلمانوں تک پہنچایا ہے۔ چنانچہ اب مسلمانوں کے لیے سنت کا یہی اجماع و تواتر اِن عبادات کا ماخذ ہے۔

باب سوم

مناسکِ حج و عمرہ:
نبی ﷺ کا اسوہ اور آپ کی تفہیم و تبیین

سوال: اسلامی شریعت میں حج و عمرہ کے مناسک اور اِن کا طریقہ پیچھے بیان ہو چکا ہے، لیکن اِن عبادات سے متعلق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل سے ہمیں کیا رہنمائی حاصل ہوتی ہے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول روایتوں میں حج و عمرہ کے بارے میں جو رہنمائی ہمیں آپ کے قول و فعل سے حاصل ہوئی ہے، اُس کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

حالت احرام اور مباح اُمور

روایتوں میں نقل ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھتے وقت خوش بو لگایا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے احرام باندھنے سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشک کی خوش بو لگائی اور یوم النحر کو احرام کھول لینے کے بعد

بھی، جب آپ طوافِ حج کے لیے مکہ روانہ ہوئے۔ سیدہ کہتی ہیں کہ میں آج بھی آپ کی مانگ میں اُس خوش بو کی چمک گویا دیکھ رہی ہوں۔[38]

جاننا چاہیے کہ حالتِ احرام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے ہیں، بالوں کو سنوارا ہے اور سر بھی دھویا ہے۔[39]

علاوہ ازیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ اجازت دی کہ اُن کے پاس اگر جوتے نہ ہوں تو اِس مجبوری میں وہ اپنے موزے کاٹ کر اُنھیں ٹخنوں سے نیچے تک پہن سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ اگر تہ بند کے لیے اَن سلا کپڑا دستیاب نہ ہو تو شلوار یا پاجامہ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔[40]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ حالتِ احرام میں شکار تو بلا شبہ ممنوع ہے، لیکن اگر کسی شخص نے احرام کے بغیر شکار کیا ہو تو مُحرم اُس میں سے کھا سکتا ہے، بشرطیکہ اُس کی کسی ہدایت یا اشارے کو اِس شکار میں کوئی دخل نہ ہو۔[41]

نیز آپ نے وضاحت فرمائی ہے کہ احرام میں شکار کی ممانعت کا حکم موذی جانوروں سے متعلق نہیں ہے۔ ایسے جانور احرام کی حالت میں بھی بغیر کسی تردد کے مارے جا سکتے ہیں۔[42]

---

38 دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1538، 1539۔ صحیح مسلم، رقم 1190، 1191۔

39 دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1835، 1540، 1840۔ صحیح مسلم، رقم 1202، 1184، 1205۔

40 دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 842، 843۔ صحیح مسلم، رقم 1177، 1178، 1179۔

41 دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1824۔ صحیح مسلم، رقم 1196۔

42 دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1826، 1829۔ صحیح مسلم، رقم 1199۔

حالتِ احرام میں نکاح

احرام کی حالت میں نکاح کرنے، کرانے یا نکاح کی بات طے کرنے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے۔[43]

تلبیہ: حج کا شعار

تلبیہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ حج کا شعار ہے۔[44]

تلبیہ کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی مسلمان تلبیہ پکارتا اور اِس میں 'لبیك لبیك' کی صدا بلند کرتا ہے تو اُس کے دائیں اور بائیں جانب موجود درخت اور پتھر بھی زمین کی آخری حد تک اِسی صدا میں اُس کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں۔[45]

تلبیہ کیسے کہا جائے؟

ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جبریل امین نے آپ کو ہدایت

---

43 دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1409۔

44 دیکھیے: سنن ابن ماجہ، رقم 2923۔

45 دیکھیے: سنن ابن ماجہ، رقم 2921۔

کی تھی کہ تلبیہ کو بلند آواز سے پکارا جائے۔[46]

طواف سے پہلے وضو

بعض روایتوں میں نقل ہوا ہے کہ مکہ مکرمہ پہنچ کر طواف سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا ہے۔[47]

طواف کے ہر چکر میں حجرِ اَسود کا اِستلام اور تکبیر

طواف کے ہر پھیرے میں حجرِ اَسود کا اِستلام اور اُس موقع پر تکبیر، یعنی 'اللہ اکبر' کہنا بھی بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے۔[48]

رُکن یمانی کا استلام

بعض روایتوں میں نقل ہوا ہے کہ طواف کے دوران میں استلامِ حجرِ اسود کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 'رُکن یمانی'[49] کا استلام بھی کیا ہے۔[50]

---

46 دیکھیے: سنن ابی داؤد، رقم 1814۔

47 دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1614۔ صحیح مسلم، رقم 1235۔

48 دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1509۔ سنن ابی داؤد، رقم 1876۔

49 طواف کرتے ہوئے بیت اللہ کی عمارت کا وہ کونا جو حجرِ اسود کے کونے سے پہلے آتا ہے، اُس کو رُکن یمانی کہتے ہیں، اِس لیے کہ وہ یمن کی سمت میں واقع ہے۔

50 دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1606۔ صحیح مسلم، رقم 1267، 1268۔

حالت عذر میں سواری پر طواف

سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے، وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیماری کے بارے میں بتایا تو آپ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ میں سواری پر طواف کرلوں۔[51]

ابراہیمی پتھر کے پیچھے نفل نماز اور استلام حجرِ اسود

حجۃ الوداع سے متعلق روایتوں میں نقل ہوا ہے کہ طواف کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیمی پتھر کی طرف بڑھے اور اُس کے پیچھے جا کر آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ اِس کے بعد آپ دوبارہ حجرِ اَسود کے پاس آئے، اُس کا استلام کیا اور پھر دروازے سے صفا کی جانب نکل گئے۔[52]

سعی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ

صفا و مروہ کی سعی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اُسوہ روایتوں میں نقل ہوا ہے، اُس کی تفصیلات حسبِ ذیل ہیں:

طواف سے فارغ ہو کر آپ صفا کی پہاڑی کی طرف نکلے اور اُس کے اوپر تک چڑھ کر قبلہ رو ہوئے، پھر اللہ کی وحدانیت اور اُس کی کبریائی بیان کرتے ہوئے فرمایا: 'لا إله إلا الله وحده

---

[51] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 464۔ صحیح مسلم، رقم 1276۔

[52] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1218۔

لا شریك له، له الملك وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر، لا إله إلا الله وحده، أنجز وعده، ونصر عبده، وهزم الاحزاب وحده"[53]، "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ بادشاہی اُسی کی ہے اور حمد وشکر بھی اُسی کے لیے ہے۔ وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے؛ اُس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام منکر گروہوں کو تنہا شکست دے دی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کلمات تین مرتبہ دہرائے اور درمیان میں دعا بھی فرمائی۔ اِس کے بعد آپ جبل مروہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب نشیبی حصہ آیا تو آپ کے قدم قدرے تیز ہو گئے اور جیسے ہی چڑھائی شروع ہوئی تو آپ اپنی معمول کی رفتار میں چلنے لگے۔ مروہ کی پہاڑی پر پہنچ کر بھی آپ نے وہی عمل انجام دیا جو صفا پر دیا تھا اور اِسی طریقے سے آپ نے اپنے ساتوں چکر مکمل کیے۔[54]

وقوفِ عرفہ میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ

روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ یوم عرفہ کی صبح طلوعِ آفتاب کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے عرفات کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں وادی نَمرہ میں آپ کے لیے خیمہ لگایا گیا تھا۔ زوالِ آفتاب تک آپ نے اُس خیمے میں قیام فرمایا۔ پھر وادی کے نشیب میں آ کر لوگوں کو خطبہ دیا۔ اِس کے بعد ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز پڑھائی۔ اِن نمازوں کے آگے اور پیچھے آپ نے کوئی نوافل نہیں پڑھے۔ پھر جبلِ عرفات کے پاس قبلہ رو

53 دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1218۔

54 دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1218۔

ہو کر آپ غروب آفتاب تک کھڑے دعا و مناجات کرتے رہے۔[55]

یومِ عرفہ اور تلبیہ و تکبیر

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یوم عرفہ کو لوگ تلبیہ بھی پکارتے رہے اور تکبیرات بھی کہتے رہے، لیکن کسی پر کوئی نکیر نہیں کی گئی۔[56]

یومِ عرفہ کی فضیلت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب ہوتے ہیں، فرشتوں کے سامنے اُن پر فخر کا اظہار فرماتے ہیں اور اِس دن سے زیادہ کسی اور دن لوگوں کو جہنم کی آگ سے رہائی نہیں دیتے۔[57]

وقوفِ مزدلفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ

روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ مزدلفہ کے میدان میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشا کی نماز عرفات کی ظہر اور عصر کی نمازوں کی طرح ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھائی۔ پھر صبح تک آپ نے آرام فرمایا۔ اِس دوران میں آپ نے کوئی

---

[55] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1218۔

[56] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 970۔ صحیح مسلم، رقم 1285۔

[57] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1348۔

نوافل وغیرہ نہیں پڑھے۔ فجر کی نماز، البتہ آپ نے ذرا سویرے ادا کی۔ پھر 'مشعرالحرام' کے پاس کھڑے ہوکر آپ دعا و مناجات کرتے رہے، یہاں تک کہ روشنی پوری طرح پھیل گئی۔ سورج نکلنے سے کچھ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے روانہ ہوئے اور 'وادئ مُحَسَّر' سے ذرا تیزی کے ساتھ گزر کر آپ منیٰ پہنچ گئے۔[58]

حالتِ عذر میں منیٰ میں رات گزارنے سے رخصت

روایتوں میں یہ نقل ہوا ہے کہ بعض چرواہوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے عذر کی بنا پر، نہ صرف یہ کہ منیٰ میں رات گزارنے سے رخصت دی، بلکہ اُن کو ہدایت فرمائی کہ وہ یوم النحر کو رات کے وقت رمی کر کے چلے جائیں اور ایک دن چھوڑ کر 12 / ذوالحجہ کو واپس آکر باقی دونوں دِنوں کی رمی اکٹھی کرلیں۔[59]

رمی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ اور آپ کے اوقاتِ رمی

روایتوں میں بیان ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن اپنی رمی چاشت کے

---

[58] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1218۔ یہ وادی، منیٰ و مزدلفہ کے مابین واقع ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں دورانِ حج میں لوگ یہاں بھی ٹھیرتے اور اپنے آبا و اجداد کے مفاخر بیان کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ کی ہدایت کے مطابق مناسکِ حج میں اُن کی اِس غلط روش کی بھی مخالفت کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، نہ صرف یہ کہ یہاں قیام نہیں فرمایا، بلکہ اِس وادی سے تیزی سے گزر گئے۔ دیکھیے: الشیخ محمد بن صالح بن محمد عثیمین، الشرح الممتع علی زاد المستقنع 7/ 316۔

[59] دیکھیے: مسند احمد، رقم 23776، 23777۔ صحیح ابن خزیمہ، رقم 2975۔ سنن ابی داؤد، رقم 1976۔

وقت کی ہے اورایامِ تشریق میں زوالِ آفتاب کے بعد کی ہے۔[60]

یہ بھی منقول ہے کہ رمی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمرے کی جانب منہ کر کے کھڑے ہوئے۔ بیت اللہ آپ کی بائیں جانب اور منیٰ کا میدان دائیں جانب تھا۔ آپ نے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکر پھینکتے ہوئے آپ نے تکبیر کہی۔ جمرۂ اولی اور جمرۂ وسطیٰ کے پاس آپ کچھ دیر ٹھیرے بھی تھے۔ رمی کے بعد قبلہ رخ ہو کر آپ دیر تک تکبیر و تہلیل، تسبیح و تحمید اور دعا و مناجات کرتے رہے۔ روایتوں میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ آپ جمرۂ عقبہ کے پاس بالکل نہیں ٹھیرے۔[61]

حلق و قصر

روایتوں میں آیا ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صحابہ ہدی کی قربانی ساتھ لے کر نہیں آئے تھے، عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں ہدایت فرمائی کہ وہ حجامت کرا کے اپنا احرام کھول لیں۔[62] پھر حج کے دوران میں آپ نے خود بھی سر منڈوایا اور آپ کے بعض صحابہ نے بھی حلق کرانے ہی کو ترجیح دی۔[63]

[60] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1746۔ صحیح مسلم، رقم 1299۔

[61] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1748، 1750، 1751، 1753۔ صحیح مسلم، رقم 1218، 1296۔

[62] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1216۔

[63] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1729۔ صحیح مسلم، رقم 1301۔

حلق کی فضیلت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا حلق کرانے والوں کے لیے تین مرتبہ دعا فرمائی، جب کہ بال کٹوانے والوں کے لیے ایک مرتبہ۔[64] اِس سے اشارہ ملتا ہے کہ قصر کے مقابلے میں حلق کی فضیلت بہرحال زیادہ ہے۔

متفرق مسائل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی

سوال: کیا حج وعمرہ کے مناسک سے متعلق مندرجہ بالا توضیحات کے علاوہ بھی کوئی رہنمائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہوئی ہے؟

جواب: جی ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول روایتوں میں چند باتیں اِن کے علاوہ بھی نقل ہوئی ہیں، جن کا تعلق حج وعمرہ کے بعض متعلقات اور بعض مقامات کے فضائل سے ہے۔ اِن کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

طواف اور نماز کا تقابل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ طواف نماز ہی کی طرح ہے، لیکن اِس کے دوران میں اگر کوئی بات کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ تاہم یہ بھلائی کی بات ہونی چاہیے۔[65]

---

[64] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1727۔ صحیح مسلم، رقم 1303۔

[65] دیکھیے: ترمذی، رقم 960۔

نفل طواف کی فضیلت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں طوافِ بیت اللہ کی یہ فضیلت بھی منقول ہے کہ جس شخص نے طواف کیا اوراِس کے بعد دو رکعت نماز ادا کی، اُس نے گویا اللہ کی راہ میں ایک غلام آزاد کر دیا۔[66]

حالتِ احرام میں موت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حالتِ احرام میں کوئی شخص وفات پا جائے تو اُس کو احرام ہی کے کپڑوں میں دفن کر دیا جائے اوراُس موقع پر آپ نے ہدایت فرمائی کہ نہ اُسے خوش بو لگائی جائے اور نہ ہی اُس کا سر اور چہرہ ڈھانپا جائے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس کو تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھائیں گے۔[67]

بچوں کا حج

ایک روایت میں یہ واقعہ نقل ہوا ہے کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنا بچہ اٹھایا اور دریافت کیا: کیا یہ بھی حج کر سکتا ہے؟ اِس پر آپ نے فرمایا: ہاں، البتہ اِس کا اجر تمھیں ملے گا۔[68]

---

[66] دیکھیے: ابن ماجہ، رقم 2956۔

[67] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1268۔ صحیح مسلم، رقم 1206۔

[68] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1336۔

حج کے خواہش مند معذورین کی طرف سے حج

ایک روایت میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ خثعم قبیلے کی ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول، میرے والد پر حج فرض ہے، لیکن وہ اِس قدر ضعیف ہو گئے ہیں کہ سواری پر ٹھیر بھی نہیں سکتے۔ کیا میں اُن کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہوں؟ اِس پر آپ نے فرمایا: ہاں، کر سکتی ہو۔[69]

حج کی نذر ماننے والے متوفٰی کی طرف سے حج

روایت میں آیا ہے کہ قبیلۂ جُہینہ کی ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی، مگر وہ اِسے ادا کرنے سے پہلے وفات پا گئی ہیں۔ کیا میں اُن کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ اِس پر آپ نے فرمایا: ہاں، ضرور کرو۔ اگر اُن پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تم اُس کو ادا نہ کرتیں؟ یہ اللہ کا حق ہے، اِس لیے اِسے بھی ادا کرو، کیونکہ اللہ اِس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اُس کا حق ادا کیا جائے۔[70]

حج بدل کرنے والے کے لیے ایک ہدایت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے تلبیہ پکارتے ہوئے کہا: 'لبيك عن شبرمة'، ''اے اللہ، میں شبرمہ کی طرف سے حاضر ہوں''۔ آپ نے فرمایا: یہ شبرمہ کون

---

[69] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1513۔ صحیح مسلم، رقم 1334۔

[70] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1852۔

ہے ؟اُس نے عرض کیا: یہ میرا ایک بھائی ہے۔ آپ نے پوچھا: کیاتم اپناحج ادا کر چکے ہو؟اُس نے جواب دیا: نہیں ۔اِس پر آپ نے فرمایا: پہلے اپنا حج ادا کرلو، پھر شبرمہ کی طرف سے کرلینا۔[71]

مسجد حرام کا مقام

مسجدِ حرام میں پڑھی گئی نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد کے سوا دوسری تمام مسجدوں میں پڑھی گئی ایک لاکھ نمازوں سے افضل قرار دیا ہے۔[72]

مسجدِ نبوی کا مقام

مسجدِ نبوی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری اِس مسجد میں ادا کی جانے والی ایک نماز، مسجد الحرام کے سوا دوسری تمام مسجدوں میں پڑھی جانے والی ہزار نمازوں سے افضل ہے۔[73]

[71] دیکھیے: سنن ابی ابوداؤد، رقم 1811۔

[72] دیکھیے: مسند احمد، رقم 15271۔

[73] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1190۔ صحیح مسلم، رقم 1394۔

باب چہارم

حقیقتِ حج و عمرہ

سوال: حج و عمرہ کے مناسک میں راہبوں کی سی وضع قطع اختیار کرنا، ایک پتھر کو چومنا، ایک گھر کے گرد چکر لگانا، دو پہاڑیوں کے درمیان پھیرے لگانا، ایک میدان سے دوسرے میدان کی طرف پڑاؤ بدلنا، بعض مقامات پر رُک کر سنگ باری کرنا، سر منڈانا اور جانور ذبح کرنا؛ اِن اعمال و مناسک کی حقیقت کیا ہے؟ یہ ہمارے لیے اللہ کی عبادت کیسے بنتے ہیں؟ اِن کے ذریعے سے اپنے خداوند کے ساتھ ہمارا تعلق کیسے قائم ہوتا ہے؟

جواب: حج و عمرہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے خود اسلام کی حقیقت کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ جو بندہ اپنے خداوند پر ایمان لاتا، آخرت کو مان لیتا، اپنے رب کے پیغام کو مان کر دین اسلام کو قبول کر لیتا ہے، وہ اِس طرح در حقیقت اپنے آپ کو اپنے پروردگار کے حوالے کر دیتا ہے، اور نتیجتاً وہ اپنا جان و مال، سب اللہ کے حضور میں گویا نذر کر دیتا ہے۔ یہی اسلام کی حقیقت اور لفظِ اسلام کے معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ... ' [74] "بے شک، جو لوگ ایمان لائے ہیں، اُن

---

[74] التوبہ 9:111۔

کے جان و مال اللہ نے اِس وعدے پر اُن سے خرید لیے ہیں کہ اُن کے بدلے میں وہ اُن کو جنت عطا فرمائے گا“۔

بلاشبہ، یہ بندے کے جذبۂ پرستش کا اعلیٰ ترین درجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے معبود کے طلب کرنے پر اپنا جان و مال، سب اُس کی بارگاہ میں نذر کر دینے کے لیے حاضر ہو جائے۔

چنانچہ حج و عمرہ کی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے جان و مال کے اِسی نذرانے کی تمثیل (Symbolic expression) ہیں۔ یہ دونوں عبادات ایک ہی حقیقت کو علامتی زبان میں پیش کرتی ہیں۔ دونوں میں، البتہ فرق صرف یہ ہے کہ حج میں بندہ نذر پیش کرنے کے علاوہ ابلیس کے خلاف اِس دنیا میں اپنی جنگ کو بھی علامتی طور پر پیش کرتا ہے۔ اِس اعتبار سے دیکھا جائے تو عمرہ اجمال ہے اور حج اُس کی تفصیل۔ اور اِسی تناظر میں عمرہ کو 'حج اصغر' اور حج کو 'حج اکبر' بھی کہا جاتا ہے۔[75]

اللہ کے حکم سے بیت اللہ کی تعمیر نو جب کر دی گئی اور اُس کی رہنمائی میں مقاماتِ حج و عمرہ اور اُن کے مناسک کی تعیین و تشریع بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے کر دی گئی اور اُنھیں اِس کی منادی کرنے کا حکم ہوا تو اُنھوں نے یہ صدا بلند کی کہ اللہ کے بندے اب اپنے پروردگار کے حضور میں نذر پیش کرنے اور اپنا جان و مال اُس کے سپرد کرنے کے لیے آئیں اور یہاں حاضر ہو کر توحیدِ خداوندی پر ایمان کے اُس عہد کی تجدید کریں جو انھوں نے باندھ رکھا ہے۔ چنانچہ اِس مقصد کے لیے اسلامی شریعت نے جو عبادتیں مقرر کی ہیں، وہ 'حج' و 'عمرہ' ہیں۔ دین ابراہیمی میں یہ دونوں عبادات خدا کی بندگی کے اعلیٰ ترین مظاہر میں شمار ہوتی ہیں۔

---

[75] دیکھیے: ابومالک کمال بن السید سالم، صحیح فقہ السنۃ وادلتہ وتوضیح مذاہب الائمۃ 2/ 275۔

سوال: اہل ایمان سے نذر کا یہ مطالبہ کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: اِس سوال کا نہایت عمدہ جواب استاذ جاوید احمد غامدی نے اِس طرح دیا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ آدم کی تخلیق سے اُس کی جو اسکیم دنیا میں برپا ہوئی ہے، ابلیس نے پہلے دن ہی سے اُس کے خلاف اعلانِ جنگ کر رکھا ہے، ارشاد فرمایا ہے: 'قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ'،[76] "(ابلیس) بولا: پھر اِس لیے کہ تو نے مجھے گم راہی میں ڈالا ہے، اب میں بھی اولاد آدم کے لیے ضرور تیری سیدھی راہ پر گھات میں بیٹھوں گا۔ پھر اِن کے آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے ضرور اِن پر تاخت کروں گا اور تو اِن میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار نہ پائے گا"۔

قرآن کا بیان ہے کہ ابلیس کا یہ چیلنج قبول کر لیا گیا ہے اور اللہ کے بندے اپنی دنیوی زندگی کے امتحان میں اب قیامت تک کے لیے اپنے اِس ازلی دشمن اور اِس کی ذریت کے ساتھ برسرجنگ ہیں۔ یہی اِس دنیا کی آزمایش ہے، جس میں کامیابی اور ناکامی پر ہمارے ابدی مستقبل کا انحصار ہے۔ اپنا جان و مال ہم اِسی جنگ کے لیے اللہ کی نذر کرتے ہیں۔ انبیا علیہم السلام نے 'یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ'[77] کی صدا تاریخ میں بارہا اِسی مقصد سے بلند کی ہے۔"[78]

چنانچہ ابلیس کے خلاف اِس عملی جنگ کو بھی حج میں علامتی صورت دی گئی ہے۔ یعنی حج

---

[76] الاعراف 7:16-17۔

[77] الصف 61:14۔ "ایمان والو، اللہ کے مدد گار بنو۔"

[78] جاوید احمد غامدی، میزان 373۔

و عمرہ میں بندہ اپنے رب کے لیے علامتی طور پر جس حمیت و حمایت کا اظہار کرتا اور ابلیس پر لعنت اور اُس کے خلاف علامتی جنگ کا مظاہرہ کرتا ہے، اُس کے خداوند کو در حقیقت یہی چیز اُس سے دنیا میں اصلاً اُس کی عملی زندگی میں مطلوب ہوتی ہے۔

سوال: یہ بات ہمیں دین سے کیسے معلوم ہوتی ہے کہ حج و عمرہ میں علامتی زبان میں ہم اپنی بندگی کا اظہار اپنے رب کے سامنے کرتے ہیں؟

جواب: حج و عمرہ کے مقامات و مشاعر کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے 'شَعَآئِر' قرار دیا ہے۔[79] اِس لفظ کی وضاحت میں استاذ جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

> "یہ 'شَعِیرۃ' کی جمع ہے، جس کے معنی علامت کے ہیں۔ اصطلاح میں اِس سے مراد وہ مظاہر ہیں جو کسی حقیقت کا شعور ذہنوں میں قائم رکھنے کے لیے اللہ و رسول کی طرف سے بہ طور ایک نشان کے مقرر کیے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِن کی تعظیم کی جائے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔"[80]

حج و عمرہ میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ جو شعائر ہیں، اُن میں بیت اللہ، حجر اسود، صفا و مروہ کی پہاڑیاں، منیٰ، عرفات، مزدلفہ، جمرات، میقاتیں، حدودِ حرم اور قربانی کے جانور بھی شامل ہیں۔ پھر اِن شعائر اللہ کی تعظیم کے جو حدود، یعنی اعمال و مناسک ہیں؛ جن کے ذریعے سے ہم حج و عمرہ کی عبادات کو اِن شعائر پر انجام دیتے ہیں، وہ بھی اللہ ہی کے مشروع کردہ مناسک ہیں۔

---

[79] دیکھیے: البقرۃ 2: 158۔ الحج 22: 36۔

[80] جاوید احمد غامدی، میزان 385۔

حقیقتِ مناسک

سوال: حج و عمرہ کے اعمال کی حقیقت کو کیسے سمجھا جائے؟

جواب: مذکورہ بالا شعائر اللہ اور اِن پر ادا کیے جانے والے مناسک خدا کے بندوں کے لیے کن حقیقتوں کی یاددہانی اوراُن کے ذہنوں میں کن حقائق کا شعور قائم رکھنے کے لیے مشروع کیے گئے ہیں، ذیل میں اب ہم ایک ایک کر کے اُن کی تفہیم کی کوشش کریں گے:

حقیقتِ احرام

حج و عمرہ کی عبادتوں میں احرام در حقیقت اِس بات کی علامت ہے کہ بندۂ مومن نے اپنے خداوند کے حکم پر دنیا کی لذتوں، اپنی زیبایش و آرایش اور عام مشاغل و مرغوبات سے دست بردار ہو گیا ہے۔ حالتِ احرام میں اُس نے اب دواَن سلی چادریں پہن کر، اپنے سر اور کسی حد تک اپنے پاؤں کو بھی برہنہ رکھ کر گویا راہبوں کی سی صورت کرلی ہے۔ اور اِس طرح وہ اپنے رب کے حضور میں پہنچنے کے عزم کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا ہے۔

حقیقتِ تلبیہ

تلبیہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف، اُس کی توحید کا اقرار اور اُس کے حضور میں اپنی کامل بندگی کا اظہار ہے، اور اپنی تاریخ کے لحاظ سے یہ در حقیقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اُس صدا کا جواب ہے جو اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت اللہ کی

تعمیر نو کے بعد ایک پتھر پر کھڑے ہو کر بلند کی تھی۔[81] اُن کی یہ صدا اب دنیا کے ہر گوشے تک پہنچ چکی ہے، چنانچہ خدا کے بندے اُس کی نعمتوں کے اعتراف میں اور اُس کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے سیدنا ابراہیم کی اِس صدا کا جواب دیتے ہوئے 'لبیك، اللّٰھم لبیك' کا یہ دل نواز ترانہ بلند کرتے ہیں۔

حقیقتِ طواف

بیت اللہ کا طواف در حقیقت نذر کے پھیرے ہیں۔ اِس کے ذریعے سے علامتی طور پر گویا ہم اپنا پورا وجود اللہ تعالیٰ کے حضور میں نذر کرتے ہیں۔ دینِ ابراہیمی کی یہ قدیم روایت رہی ہے کہ جس کو قربانی کے لیے پیش کیا جائے یا معبد کی خدمت کے لیے نذر کیا جائے، اُس کو معبد یا مقامِ قربانی کے سامنے پھرایا جاتا ہے۔ استاذ جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

"...تورات کے مترجموں نے اِسی بات کو جگہ جگہ ہلانے کی قربانی اور خداوند کے آگے گزرانے سے تعبیر کیا ہے۔ مثال کے طور پر گنتی میں ہے:

"اور تو لاویوں کو خداوند کے آگے لا اور بنی اسرائیل اپنے ہاتھ اُن پر رکھیں۔ اور ہارون لاویوں کو بنی اسرائیل کی طرف سے ہلانے کی قربانی کی طرح خداوند کے آگے گزرانے، تب وہ خداوند کی خدمت کے لیے مخصوص ہوں گے۔ تب لاوی اپنے ہاتھ دونوں بیلوں کے سروں پر رکھیں۔ تب تو اُن میں سے ایک کو خطا کی قربانی کے لیے اور دوسرے کو خداوند کی سوختنی قربانی کے لیے لاویوں کے کفارے کے لیے گزران۔ اور تو لاویوں کو ہارون اور اُس کے بیٹوں کے سامنے کھڑا کر اور خداوند کی ہلانے کی

---

[81] دیکھیے: ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم 5/ 363۔

قربانی کی طرح اُن کو گزران، کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے درمیان سے مجھے نذر کر دیے گئے ہیں۔ میں نے بنی اسرائیل کے سب پہلوٹوں کے بدلے جو رحم کے کھولنے والے ہوں، اُن کو اپنے لیے لیا ہے۔" (10-16:8)

بائیبل کے عربی ترجمے میں اِس کے لیے 'تردد ھم للرب' یا 'امام الرب' کی تعبیر اختیار کی گئی ہے جس سے یہ مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔"[82]

اِستلامِ حجر اسود کی حقیقت

حجرِ اسود کا استلام در حقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارے ایمانی عہد کی یاد دہانی اور اِس کی تجدید کے لیے ایک علامتی عمل ہے۔ اِس عمل کے ذریعے سے بندہ اِس پتھر کو علامتی طور پر اپنے رب کا ہاتھ قرار دیتا ہے، گویا وہ اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے رہا ہو۔ اِس موقع پر عہد وپیمان کی قدیم روایت کے مطابق وہ حجرِ اسود کو بوسہ دے کر خدا کے ساتھ اپنے اِس عہد کی تجدید کرتا ہے کہ اسلام قبول کر کے جنت کے بدلے میں وہ اپنا جان ومال، سب کچھ اپنے پروردگار کے سپرد کر چکا ہے۔

حقیقتِ سعی

تاریخی اعتبار سے صفا ومروہ کی سعی دراصل اُس مقام کا طواف ہے جہاں سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کی گئی تھی۔ بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام

---

[82] جاوید احمد غامدی، میزان 374-375۔

نے اپنے فرزند کی قربانی سے پہلے جبل صفا پر کھڑے ہو کر مروہ کی اِس قربان گاہ کو دیکھا تھا اور پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لیے وہ جبل صفا سے اُتر کر نشیب میں ذرا تیزی کے ساتھ چلے اور پھر مروہ کی پہاڑی کی طرف گئے تھے۔ اِسی بنا پر اِن دونوں پہاڑیوں کو شعائر میں سے قرار دے دیا گیا اور سیدنا ابراہیم واسمٰعیل کی سعی کی یہ یادگار ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دی گئی۔ چنانچہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے صفا و مروہ کا یہ طواف بھی بیت اللہ کے طواف ہی کی طرح نذر کے پھیرے ہیں، جو اسمٰعیل علیہ السلام کی اِس قربان گاہ پر لگائے جاتے ہیں تاکہ جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند کو خداوند کے حضور میں نذر کیا تھا، ہم بھی اپنا پورا وجود علامتی صورت میں خداوند کی نذر کر دیں۔

قیامِ منیٰ کی حقیقت

منیٰ کے قیام کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندے اُس کے حکم پر 'لبیک لبیک' کہتے ہوئے اُس کی حمیت و حمایت کے اظہار کے لیے گویا میدانِ جنگ میں پہنچتے اور بالکل مجاہدین کے طریقے پر پہلے اِس وادی میں ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔

وقوفِ عرفہ کی حقیقت

عرفات اپنی حقیقت کے لحاظ سے معبد، یعنی بیت اللہ کے قائم مقام کی حیثیت رکھتا ہے، جہاں شیطان کے خلاف اِس جنگ کے مجاہد جمع ہوتے ہیں۔ پھر وہ اِس میں کامیابی کے لیے دعا و مناجات کرتے ہیں۔ یہاں وہ اپنے رب کے حضور گناہوں کی بخشش طلب کرتے اور اپنے امام کا خطبہ سنتے ہیں۔ جنگ کی اِس تمثیل کے تقاضے کے مطابق وہ اپنی نمازیں قصر اور جمع کی

صورت میں ادا کرتے ہیں۔

وقوفِ مزدلفہ کی حقیقت

مزدلفہ میں وقوف درحقیقت راستے کے ایک پڑاؤ کے مانند ہے، جہاں حجاج رات بسر کرتے ہیں اور صبح میدان میں اُترنے سے پہلے دوبارہ اپنے رب کے حضور دعا اور مناجات کرتے ہیں۔

قیام منیٰ اور رمی جمرات کی حقیقت

منیٰ میں واپسی اور متعدد دنوں کے لیے وہاں قیام درحقیقت ابلیس کے خلاف میدان جنگ میں اترنا ہے، اور اِس قیام کے دوران میں جمرات پر سنگ باری ابلیس پر لعنت اور اُس کے خلاف جنگ کی علامت ہے۔ استاذ جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

"یہ عمل اِس عزم کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ بندۂ مومن ابلیس کی پسپائی سے کم کسی چیز پر راضی نہ ہوگا۔ یہ معلوم ہے کہ انسان کا یہ ازلی دشمن جب وسوسہ انگیزی کرتا ہے تو اِس کے بعد خاموش نہیں ہوجاتا، بلکہ یہ سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ تاہم مسلسل مزاحمت کی جائے تو اِس کی تاخت بہ تدریج کم زور ہوجاتی ہے۔ تین یا چار دن کی مسلسل رمی اور اِس کے لیے پہلے بڑے اور اِس کے بعد چھوٹے جمرات کی رمی سے اِسی حقیقت کو علامتی طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔"[83]

[83] جاوید احمد غامدی، میزان 376۔

حقیقتِ قربانی

قربانی حقیقتِ اسلام کا مظہر ہے۔ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو بالکلیہ اپنے رب کے حوالے کر دے۔ اپنی کسی محبوب سے محبوب چیز کی قربانی سے دریغ نہ رکھے۔ اِس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی قربانی کو ایک شعیرہ کے طور پر مقرر فرمادیا تاکہ اِس کے ذریعے سے لوگوں کے اندر اسلام کی اصل حقیقت برابر تازہ ہوتی رہے۔ اِس لحاظ سے دیکھیے تو قربانی علامتی طور پر اللہ کے حضور میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا ہے کہ پروردگار، جان مطلوب ہے تو وہ بھی حاضر ہے۔

سر منڈانے کی حقیقت

سر کے بال منڈوانا یا حجامت کرانا اِس امر کی علامت ہے کہ بندے نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی نذر پیش کر دی ہے اور اب وہ اپنے رب کی اطاعت اور غلامی کی اِس علامت کے ساتھ اپنے گھر واپس جاسکتا ہے۔ غلامی کے علامتی اظہار کے لیے یہ عمل بھی دین ابراہیمی کی قدیم روایات میں سے ہے۔ چنانچہ تورات میں یہ حکم مذکور ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے نذر کیا جائے، وہ اپنی نذر کی مدت پوری ہونے تک سر کے بال نہ منڈوائے۔

گنتی میں ہے:

”اور اُس کی نذارت کی منت کے دنوں میں اُس کے سر پر استرہ نہ پھیرا جائے، جب تک وہ مدت جس کے لیے وہ خداوند کا نذیر بنا ہے، پوری نہ ہو تب تک وہ مقدس رہے اور اپنے سر کے بالوں کی لٹوں کو بڑھنے دے۔“ (5:6)

”اور نذیر کے لیے شرع یہ ہے کہ جب اُس کی نذارت کے دن پورے ہو جائیں تو وہ خیمۂ اجتماع کے دروازے پر حاضر کیا جائے... پھر وہ نذیر خیمۂ اجتماع کے دروازے پر اپنی

نذارت کے بال منڈوائے۔ "(6:13،18)[84]

مولانا وحید الدین خاں صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"یہ حج بندے کی طرف سے اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالے کرنے کی ایک علامتی صورت ہے۔ اِن اعمال کے ذریعہ بندہ یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے لیے سونپ رہا ہے۔ اُس کی زندگی صرف خدا کے گرد گھومے گی۔ وہ خدا کی خاطر ہر قربانی کے لیے تیار ہے۔"[85]

مندرجہ بالا تفصیل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مناسکِ حج وعمرہ کی یہ حقیقتیں اگر آدمی کے پیش نظر رہیں تو اُسے حج کی اہمیت اور غیر معمولی حیثیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

اِسی طرح یہ بات بھی ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ حج وعمرہ کے شعائر ومناسک میں جو حقیقتیں مضمر ہوتی ہیں، وہ اگر لوگوں کے دل ودماغ میں زندہ نہ رہیں تو اِن کی حیثیت روح کے بغیر ایک قالب سے زیادہ کی نہیں رہتی۔ اور خدا کے جو بندے مناسک کی اِس روح اور حقیقتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حج کرتے ہیں، پھر حج کے بعد اپنی عملی زندگی کو بھی اپنے خداوند کی نذر کر کے اپنے اعمالِ حج کی تصدیق کرتے ہیں، خدا کے بندے بن کر جیتے ہیں اور ابلیس کے خلاف اپنی اِس جنگ کو عملاً جاری رکھتے ہیں، ایسے حجاج کا حج نہ صرف یہ کہ 'حج مبرور' کہلاتا ہے، بلکہ اِس کے نتیجے میں وہ عند اللہ ایسے ہو جاتے ہیں، جیسے اُن کی ماؤں نے آج اُن کو جنا ہے۔

---

84 جاوید احمد غامدی، میزان 376۔

85 مولانا وحید الدین خاں، اسلام ایک تعارف 27۔

باب پنجم

اہم فقہی مسائل اور اُن کا حل

1۔ احرام سے پہلے کے آداب

سوال: احرام باندھنے سے پہلے کن آداب کی رعایت مستحب ہے؟

جواب: خاص اِس موقع کے لیے شریعت نے حاجی یا معتمر کو کسی چیز کا پابند نہیں کیا ہے، تاہم شریعت میں تطہیر بدن کے جو عام آداب ہیں، اُن کا اہتمام اِس موقع پر کرلینا موزوں ہو گا، اِس لیے کہ ایک طرف احرام کی نیت کے بعد تطہیر بدن کے سنن پر عمل کی پابندی عائد ہو جاتی ہے اور دوسری طرف حالتِ احرام کا دورانیہ سفر میں آدمی کے لیے کسی بھی وجہ سے طویل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ علما و فقہا نے بالعموم احرام سے پہلے درجِ ذیل آداب کو پسندیدہ قرار دیا ہے:[86]

1. بڑھے ہوئے ناخن تراشے جائیں۔

---

[86] دیکھیے: فایق سلیمان دلول، احکام العبادات فی التشریع الاسلامی 150۔ مجموعة من الباحثین باشراف الشیخ علوی بن عبد القادر السقاف، الموسوعة الفقهیة، الدرر السنیة 2/ 82-86۔

2. مونچھوں کو پست کیا جائے۔
3. زیرِ ناف کے بال مونڈے جائیں۔
4. بغل کے بال صاف کیے جائیں۔
5. غسل کیا جائے۔
6. جسم پر خوش بو لگائی جائے۔[87]

اِن آداب میں سے غسل کرنا اور جسم پر خوش بو لگانا خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے بھی ثابت ہے۔[88]

2۔ مباحاتِ احرام

سوال: عام ضرورت کے کون سے افعال ہیں جو حالتِ احرام میں جائز ہیں؟

جواب: حالتِ احرام کے وہ جائز اُمور جن کی عام طور پر ایک مُحرم کو ضرورت پیش آسکتی ہے، وہ درجِ ذیل ہیں:

1. ضرورت کے موقعوں پر نہانا۔
2. دانتوں کی صفائی کے لیے ٹوتھ پیسٹ کا استعمال کرنا۔
3. نظافت کے لیے صابن وغیرہ کا استعمال کرنا۔
4. جسم یا سَر کو کھجانا۔

---

87 تاہم احرام کے لباس پر خوش بو لگانے سے اجتناب کیا جائے گا۔

88 دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1539۔ صحیح مسلم، رقم 1198۔

5. مردوں کے لیے ٹخنوں سے نیچے تک جوتے یا موزے پہننا۔ عورتیں، البتہ ہر طرح کے جوتے پہن سکتی ہیں، تاہم وہ اِس بات کا خیال رکھیں کہ اُن کے جوتوں میں بہت زینت و آرائش کا پہلو نہیں ہونا چاہیے۔
6. چشمہ لگانا یا کانٹیکٹ لینز کا استعمال کرنا۔
7. ضرورت کے موقع پر ہیڈ فون یا ہینڈز فری استعمال کرنا۔
8. ہاتھ میں گھڑی باندھنا۔
9. کمر میں بیلٹ وغیرہ باندھنا۔
10. ضرورت کے موقع پر لباسِ احرام کو دھونا یا اُسے تبدیل کر لینا۔
11. سایے کے لیے چھتری کا استعمال کرنا۔
12. سامانِ سفر کو سر پر اُٹھانا۔
13. علاج وغیرہ کے لیے ٹیکہ لگوانا۔
14. زخم پر پٹی باندھنا۔
15. موذی جانور کو مار دینا۔
16. اپنے ہاتھ سے جانور کی قربانی کرنا یا گوشت حاصل کرنے کے لیے کوئی جانور ذبح کرنا۔
17. تجارت اور بیع و شرا کی نوعیت کا کوئی کام کر لینا۔

3۔ مردوں کے لیے خاص طرح کی چپل کی پابندی

سوال: مسائل حج میں ہمارے ہاں عام طور پر یہ بتایا جاتا ہے کہ حالتِ احرام میں مردوں

کے لیے صرف ایسی چپل یا جوتے پہننا جائز ہے جن میں اُن کے پاؤں کی اوپر والی ہڈی، جہاں تسمہ باندھا جاتا ہے، کھلی رہے، جیسے کہ دو پٹی والی چپل میں ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی شریعت میں اِس حکم کا ماخذ کیا ہے؟

جواب: مردوں کے لیے احرام میں یہ مسئلہ متاخرین حنفیہ نے بیان کیا ہے۔ وہ اِسے امام محمد کی طرف منسوب کرتے ہیں، جب کہ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ امام محمد سے یہ رائے ثابت نہیں ہے۔[89] بہر حال یہاں یہ جاننا چاہیے کہ حج وعمرہ کی شریعت میں مردوں کے لیے جوتوں میں اِس طرح کی کوئی پابندی نہیں رکھی گئی ہے کہ وہ حالتِ احرام میں اپنے پاؤں کی اوپر والی اُبھری ہوئی ہڈی کو، جہاں آدمی تسمہ باندھتا ہے، لازمًا کھلا رکھیں اور اِس مقصد کے لیے خاص طرح کی چپل ہی استعمال کریں۔

حالتِ احرام میں مردوں کے جوتوں کے لیے اِس طرح کی کوئی شرط قرآن وسنت یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کی احادیث میں کہیں بیان نہیں ہوئی ہے۔ اِس باب میں مردوں کے لیے جو چیز قانونِ شریعت کی حیثیت سے مقرر کی گئی ہے، وہ صرف یہ ہے کہ آدمی پاؤں میں جو بھی جوتے، چپل، سینڈل یا موزے پہنے، وہ بہر حال ٹخنوں سے نیچے ہونے چاہییں۔ ایسے جوتے یا موزے وغیرہ پہننا جو ٹخنوں کو بھی چھپا رہے ہوں، البتہ حالتِ احرام میں مردوں کے لیے ممنوع ہیں۔ لہٰذا ہر وہ جوتا، سینڈل یا چپل جو ٹخنوں سے نیچے تک ہو، اُس کا استعمال مردوں کے لیے بلاتردد جائز ہے۔ یہی موقف اِس باب میں جمہور علما، فقہا و محدثین نے اختیار کیا ہے۔[90] عورتوں کے لیے جوتوں کے معاملے میں، البتہ اِس طرح کی کوئی پابندی

---

[89] دیکھیے: احمد بن محمد القسطلانی، ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری 3/ 314۔

[90] دیکھیے: الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ، الکویت 2/ 153۔

نہیں ہے۔

حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس موقع پر احرام کی پابندیاں بیان فرمائی تھیں، آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مُحرم شخص موزے بھی نہ پہنے، البتہ اگر کسی کے پاس چپل نہ ہو تو وہ اپنے موزوں کو ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ کر پہن لے۔[91] کہتے ہیں کہ امام محمد سے مروی ہے کہ اِس حدیث میں 'الْكَعْبَيْنِ' سے مراد پاؤں کی اوپر والی اُبھری ہوئی ہڈی ہے، جہاں آدمی تسمہ باندھتا ہے۔

بالبداہت واضح ہے کہ یہ ایک نہایت ضعیف استدلال ہے۔ اِس پر پہلی بات یہ عرض ہے کہ امام محمد سے یہ قول منسوب ہے، یہ بات قطعیت کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اُن سے یہ قول ثابت ہو، تب بھی اِس کی صحت کا جائزہ، ظاہر ہے کہ دلیل ہی کی بنیاد پر لیا جائے گا؛ اِس لیے کہ علما کی آرا کے اثبات کے لیے دلیل پیش کی جاتی ہے، خود اُن کی بات کو بہ طور دلیل پیش نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اِس راے کے غلط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ لفظ 'کعب' کا یہ معنی لینا عربیت کے خلاف ہے۔ اہل لغت کے نزدیک یہ معنی بالکل قابلِ قبول نہیں ہے۔ زبان کے لحاظ سے اِس کا صحیح مفہوم صرف وہی ہے جو ہم آیت وضو 'وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ'،[92] ''اور ٹخنوں تک پاؤں بھی دھولو'' سے اخذ کرتے ہیں۔ کسی صاحبِ علم کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ آیت وضو میں وہ 'الْكَعْبَيْنِ' سے ایک معنی مراد لے اور احرام سے متعلق حدیث میں وارد اِسی لفظ کو ایک نیا مفہوم پہنا دے، جو عربیت کے لحاظ سے ہی قابلِ قبول نہ ہو۔ کیا حنفیہ کے اِس قول سے استدلال کر کے کوئی شخص یہ راے اختیار کر سکتا ہے کہ وضو میں قرآن نے

[91] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 5806۔

[92] المائدہ 5:6۔

پاؤں کی صرف اوپر والی اُبھری ہوئی ہڈی تک دھونے کا حکم دیا ہے، ٹخنوں تک دھونے کا حکم نہیں دیا۔ بالبداہت واضح ہے کہ علمی لحاظ سے یہ ایک ناقابلِ التفات بات ہو گی۔ اِس تفصیل سے واضح ہے کہ اِس مسئلہ میں حنفیہ کی یہ راے کسی طرح قبول نہیں کی جاسکتی، اِس لیے کہ اِس متفرد موقف کی کوئی قابلِ اعتبار دلیل موجود نہیں ہے۔[93]

4۔ میقات سے بغیر احرام کے گزرنے کا حکم

سوال: کیا میقات سے گزرتے ہوئے حدودِ حرمِ مکی میں داخل ہونے کے لیے بہر صورت احرام باندھنا لازم ہے؟ کیا احرام کے بغیر آدمی مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکتا؟

جواب: دیکھیے، اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ حج و عمرہ کی میقاتیں من جملہ 'شعائر اللہ' ہیں۔ اور اسلامی شریعت میں یہ مقامات صرف اور صرف حج اور عمرہ کی عبادات ہی سے متعلق ہوتے ہیں۔ حج یا عمرہ کے سوا شریعت کا کوئی عملی حکم اِن سے وابستہ نہیں ہے۔

مزید یہ کہ اِس باب میں اہل علم کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو مسلمان بھی اِن میقاتوں کے ماورا کسی بھی علاقے سے حج یا عمرہ کی نیت کر کے جب بھی اِن سے یا اِن کے محاذات سے گزرے گا تو اُس پر لازم ہو گا کہ وہ اِن مقامات یا اِن پر پہنچنے سے پہلے اپنے حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے اور اِس کے بغیر یہاں سے ہر گز آگے نہ بڑھے۔ اُس کو اپنے حج یا عمرہ کی نیت اور اپنے مناسک کا آغاز بہر حال میقات یا اُس سے پہلے کرنا ہو گا۔ مواقیت کے حوالے سے یہی بات متفق علیہ سنت کے طور پر چلی آرہی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی

---

[93] دیکھیے: ابن حجر العسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری 3 / 403۔

حکم روایتوں میں نقل ہوا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لیے 'ذو الحُلیفة' کو، اہل شام کے لیے 'جُحفة' کو، اہل نجد کے لیے 'قَرنُ المنازل' کو اور اہل یمن کے لیے 'یَلَملَم' کو میقات مقرر فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اِن ملکوں کے باشندوں کی میقاتیں ہیں اور اُن سب مسلمانوں کی بھی جو حج اور عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوئے اِن میقاتوں پر آئیں۔[94] اِس حدیث میں یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ یہ متعین مقامات صرف اُن لوگوں کے لیے میقاتیں ہیں جو اِن پر حج یا عمرہ کے ارادے سے آئیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ جو شخص حج یا عمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو، لیکن وہ کسی دوسری غرض سے مکہ مکرمہ یا حدودِ حرم میں جانا چاہتا ہے تو اُس کے لیے کیا حکم ہے؟

بالخصوص اِس سوال کے بارے میں جاننا چاہیے کہ جو شخص حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا، لیکن وہ حرمِ مکی میں جانا چاہتا ہے تو اُس کے لیے میقات سے گزرنے پر یا حدودِ حرم میں داخل ہونے پر شریعت کا کوئی حکم نہ قرآن کی رو سے بیان کیا جا سکتا ہے، نہ سنت میں ایسا کوئی حکم موجود ہے اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ایسی کوئی بات نقل ہوئی ہے۔ چنانچہ ایسا شخص میقات سے آگے بڑھ کر اپنی کسی بھی ضرورت کے لیے بلاتردد مکہ مکرمہ، حدودِ حرم اور یہاں تک کہ مسجدِ حرام میں بھی، جب چاہے بغیر احرام کے داخل ہو سکتا ہے۔

مثال کے طور پر باہر کا کوئی شخص مسجدِ حرام میں نمازِ جمعہ پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے، کوئی عید کی نماز اِس میں ادا کرنا چاہتا ہے، کوئی محض بیت اللہ کا طواف کرنے کا خواہاں ہے، کوئی اپنے کسی عزیز سے ملاقات کے لیے مکہ جانا چاہتا ہے، کوئی شخص اپنی کسی تعلیمی یا تجارتی ضرورت

---

[94] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1526۔

کے لیے مکہ کا ارادہ رکھتا ہے اور اِسی طرح کوئی شخص مکہ میں کسی صاحبِ علم یا طبیب سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو واضح رہے کہ اِن سب صورتوں میں کسی شخص پر نہ میقات کا کوئی حکم عائد ہوتا ہے، نہ اُس کے لیے حرم میں داخلے پر کوئی شرعی مانع ہے اور نہ عمرہ کے احرام کی کوئی پابندی اُس پر عائد ہوتی ہے۔ یعنی حرم میں عام داخلے کے لیے عمرہ واحرام کی قطعاً کوئی شرط نہیں ہے؛ نہ باہر سے آنے والوں کے لیے اور نہ اہل مکہ کے لیے، اِس لیے کہ عمرہ کرنا بہ ذاتِ خود دین میں ایک تطوع عبادت ہے۔

اِس کے برعکس، یہ موقف کہ میقات سے گزر کر حرمِ مکہ میں داخل ہونے والے ہر مسلمان پر عمرے کا احرام باندھنا ضروری ہے تو جاننا چاہیے کہ اِس موقف کی دین کے مآخذ میں نہ صرف یہ کہ کوئی بنیاد موجود نہیں ہے، بلکہ اِس کے نتیجے میں ایک وقیع اشکال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اِس طرح ہم حرمِ مکہ میں کسی بھی غرض اور کام سے داخل ہونے والے ہر شخص پر عمرہ لازم قرار دے رہے ہیں، جب کہ یہ معلوم ہے کہ اسلامی شریعت میں عمرہ کی عبادت کا حکم بجائے خود اعتکاف کے حکم کی طرح نفل و تطوع ہے۔ جب دین میں ایک عبادت اپنی اصل حیثیت میں تطوع کا حکم رکھتی ہے تو حرم میں داخل ہونے والے ہر مرد و عورت پر وہ عبادت لازم کیسے ہو سکتی ہے؟ آدمی جب عمرہ کی نیت سے بھی احرام باندھ کر حرم میں داخل ہوتا ہے تو اُس کا یہ عمل بہ ذاتِ خود تطوع ہوتا ہے، نہ کہ واجب۔ جو عبادت تطوع ہے، اِس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو مسلمان چاہے، اُسے اپنے شوق سے بجالائے اور جو نہیں کرتا، اُس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ کوئی مسلمان حدودِ حرم میں بغیر احرام کے داخل نہیں ہو سکتا ہے، یہ نتیجتاً مسلمانوں پر عمرہ کو واجب کر دینے کا موقف ہے، جس کی دین و شریعت میں کوئی اساس موجود نہیں ہے۔

اِس موقف کے نا قابلِ قبول ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ مستند ترین روایتوں سے خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اِس کے خلاف ثابت ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر رمضان کے مہینے میں آپ اور آپ کے صحابہ حرمِ مکی میں بغیر احرام کے داخل ہوئے تھے۔ پھر 19 دن آپ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے، لیکن اِس دوران میں بھی آپ نے کوئی عمرہ نہیں کیا۔[95]

علاوہ ازیں، یہ عموم بلویٰ کی نوعیت کا معاملہ بھی ہے۔ مکہ مکرمہ میں لوگ ہمیشہ سے بڑی تعداد میں آتے رہے ہیں۔ دین میں ایسا کوئی حکم ہوتا تو خود اسلامی شریعت اِس کو موضوع بناتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے ضرور اِس کے قطعی شواہد ہمیں موصول ہوتے کہ حدودِ حرم میں داخلے کے لیے اُنھوں نے سب مسلمانوں کو اِس کا پابند کیا تھا اور اِس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو روکا تھا۔ بالبداہت واضح ہے کہ آپ اور آپ کے صحابہ سے ایسا کوئی حکم منقول نہیں ہے۔

5۔ طوافِ بیت اللہ کے لیے وضو کی شرط

سوال: مسائل حج میں بالعموم ہمارے اہل علم یہ مسئلہ بتاتے ہیں کہ طوافِ بیت اللہ کی صحت کے لیے آدمی کا باوضو ہونا اُسی طرح شرط ہے، جس طرح یہ نماز کے لیے ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ شریعت کی رو سے کیا یہ بات درست ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو ہمارے دین میں اِس حکم کا ماخذ کیا ہے؟

---

[95] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1846، 4276، 4298۔

جواب: سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دین میں کسی عبادت کی صحت کے لیے کسی خاص عمل کو شرط قرار دینا سوائے شارع کے کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ کوئی عالم اور کوئی فقیہ اِس بات کا مجاز نہیں ہے کہ وہ کسی عمل کو کسی عبادت کے لیے خود سے شرط قرار دے دے۔ مسلمانوں کے لیے اُن کے دین میں کسی چیز کو کسی عبادت کی شرط بتایا جائے گا تو اِس کے اثبات کے لیے یہ لازم ہو گا کہ ہم قرآن یا سنت میں اُس کے شرط ہونے کا ایک صریح ماخذ پیش کریں۔

دوسرے یہ کہ اسلامی شریعت کی مقرر کردہ عبادات سات ہیں: نماز، زکوٰۃ، روزہ، اعتکاف، حج، عمرہ اور قربانی۔ یہ معلوم ہے کہ اِن سب عبادتوں میں نماز وہ واحد عبادت ہے جس کے لیے اسلامی شریعت نے وضو کو شرط قرار دیا ہے۔ اِن میں سے باقی کسی عبادت کے لیے باوضو ہونے کی شرط قرآن و سنت اور احادیث نبویہ میں کہیں بیان نہیں ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارے فقہا جن مناسک کو حج و عمرہ کے ارکان وواجبات قرار دیتے ہیں، اُن میں بھی باوضو ہونے کی شرط کو دین میں وہ خود بھی تسلیم نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر حالتِ احرام، قیام منیٰ، وقوفِ عرفہ، وقوفِ مزدلفہ، رمی جمرات، قربانی، صفا و مروہ کی سعی اور حلق یا قصر کراتے ہوئے بھی باوضو ہونا کسی عالم وفقیہ کے نزدیک شرط نہیں مانا گیا ہے۔ اب اگر وضو تمام مناسکِ حج و عمرہ میں سے صرف طواف کے لیے شرط ہے، جس کے بغیر طواف شرعاً صحیح نہیں مانا جا سکتا تو شریعت کے مآخذ، یعنی قرآن یا سنت میں اِس کا صریح ماخذ بتانا اہل علم پر لازم ہو گا۔ مسلمانوں پر ایسی کوئی شرط ہم اپنے فہم واجتہاد کی بنیاد پر عائد نہیں کر سکتے۔ جس طرح نماز کے لیے وضو کی شرط ہم نے اپنے فہم سے مقرر نہیں کی ہے، بلکہ نص شرعی نے خود اِس کی صراحت کی ہے۔

تیسرے یہ کہ طواف، خواہ حج کا ہو، عمرے کا ہو، طوافِ وداع ہو یا مطلق نفل طواف ہو؛ ہمارے نزدیک محقق رائے کے مطابق اِن سب طوافوں میں آدمی کو باوضو ہی ہونا چاہیے۔ یہی افضل و مندوب ہے۔ بعض اخبارِ آحاد کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے بھی طواف سے قبل وضو کرنا ثابت ہے۔[96] لیکن اِس وضو کو طواف کی صحت کے لیے شرط قرار دینا قطعاً ثابت نہیں ہے۔ جیسے مثال کے طور پر فجر کی نماز سے قبل اہتمام و مداومت کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے ثابت ہے، اِس کے باوجود وہ فجر کی نماز پڑھنے والے کے لیے شریعت میں لازمی رکعتیں نہیں ہیں اور نہ نمازِ فجر کی صحت کے لیے اِن دو رکعتوں کو شرط قرار دیا جا سکتا ہے۔ غرض یہ کہ طواف سے پہلے آپ کا وضو کرنے کا عمل روایت ہوا ہے، جس سے زیادہ سے زیادہ اِس کا مندوب و مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جو چیز شرط ہو گی، اُس کو شرط ہی کی حیثیت سے شریعت کے مآخذ خود بہ صراحت بیان کریں گے، جیسے مثال کے طور پر نماز کے لیے وضو کی شرط قرآن و سنت، دونوں سے بہ صراحت معلوم ہے۔ کسی خبرِ واحد میں ایک موقع پر محض کوئی فعلِ نبی دیکھ کر اُس کو کسی دوسرے عمل کی شرط قرار دینا علمی لحاظ سے بالکل بھی کافی نہیں ہے۔

چوتھے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کرنے والوں کے سامنے طواف سے پہلے وضو کرنے کے عمل کو شرط بتایا ہو یا اِس کا حکم دیا ہو، اِس طرح کی کوئی چیز بھی آپ سے نہ کسی عمرہ میں نقل ہوئی ہے اور نہ حج ہی کے موقع پر؛ اِس کے باوصف کہ آپ کے عمروں اور حج کے موقع پر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ساتھ رہی ہے۔ لٰہذا یہ بات مانی نہیں جا سکتی کہ ایک چیز دین میں ایک موقع پر لازم ہو اور شارع مسلمانوں کے لیے اُس موقع پر اُسے بیان ہی نہ

---

[96] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1614۔ صحیح مسلم، رقم 1235۔

کرے۔

علاوہ ازیں، حج کے ارکان وواجبات پر قیاس کیا جائے تو بھی وہی موقف درست معلوم ہوتا ہے جو راقم السطور عرض کر رہا ہے۔ یعنی جب حالتِ احرام، قیامِ منیٰ، وقوفِ عرفہ، وقوفِ مزدلفہ، رمی جمرات، قربانی، صفاومروہ کی سعی اور حلق یا قصر کراتے ہوئے؛ اِن سب موقعوں پر باوضو ہونا شرط نہیں ہے تو طواف کے لیے بھی اِس کو شرط نہیں ہونا چاہیے، ورنہ تنہا طواف کے لیے وضو کی شرط ہوتی تو قرآن یا سنت خود اِس کی صراحت کر دیتے اور شارع خود اِس کو بیان فرما دیتے۔

پانچویں یہ کہ طواف کی صحت کے لیے وضو کی شرط نہ ہونے کا جو موقف راقم الحروف نے یہاں پیش کیا ہے، یہی موقف امام ابو حنیفہ، متقدمین فقہاے حنفیہ، امام ابن حزم، امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم نے اختیار کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت کے مطابق یہی قول نقل ہوا ہے۔ معاصرین اہل علم میں سے سعودی عرب کے مشہور عالمِ دین علامہ محمد بن صالح العثیمین نے بھی اِسی کی تصویب کی ہے۔[97]

امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جن اہل علم نے طواف کے لیے وضو کو واجب قرار دیا ہے، بنیادی طور پر اُن کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے، اِس لیے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابی نے ایسی کوئی بات نقل نہیں کی ہے کہ آپ نے طواف کے لیے لوگوں کو وضو کرنے کا حکم دیا ہو۔ ایسی کوئی بات کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے، نہ کسی ضعیف حدیث

---

[97] دیکھیے: مجموعۃ من الباحثین باشراف الشیخ علوی بن عبد القادر السقاف، الموسوعۃ الفقہیۃ، الدرر السنیۃ 2/182۔ اور دیکھیے 'موقع الاسلام سوال وجواب' ویب سائٹ پر سوال بہ عنوان: 'ھل تشترط الطھارۃ للطواف والسعی؟'۔

سے، جب کہ یہ معلوم ہے کہ آپ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے حج کیا ہے۔ اِسی طرح آپ نے متعدد بار عمرہ کیا ہے، جن میں لوگ آپ کے ساتھ عمرہ کے لیے جاتے تھے۔ طواف کے لیے وضو کی شرط شریعت میں ہوتی تو آپ لازماً اِسے سب کے لیے واضح فرما دیتے۔ اور آپ کے بیان کر دینے کے بعد یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ کا یہ حکم مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا، بلکہ صحابۂ کرام آپ کی نسبت سے اِسے ضرور آگے مسلمانوں تک پہنچاتے۔ تاہم اتنی بات صحت کے ساتھ بالکل ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے موقع پر وضو کیا ہے، لیکن یہ بات وضو کے لازم ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔[98]

آخر میں عرض ہے کہ طواف کے لیے وضو شرط نہ بھی ہو، تب بھی بیت اللہ کے مقدس ترین مقام کے ادب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی پیروی میں افضل و مستحب یہی ہے کہ طواف سے پہلے لوگ وضو کا اہتمام کریں۔ تاہم علمی لحاظ سے ہم پر یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ اگر کسی مسلمان نے طواف سے پہلے وضو نہیں کیا یا کوئی وضو کرنا بھول گیا ہے یا کسی کا وضو طواف کے دوران میں ٹوٹ گیا ہے تو اِس طرح کی صورتوں میں شرعاً نہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اِن سب کا طواف باطل ہو گیا ہے، لہٰذا اِن کو طواف دوبارہ کرنا ہو گا اور نہ دین کی رو سے کسی پر یہ لازم کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ اُس کا وضو اثنائے طواف ٹوٹ گیا تھا، لہٰذا وہ اُسی وقت باہر نکل کر پہلے نیا وضو کرے اور پھر واپس آ کر جہاں اُس نے طواف ترک کیا تھا، دوبارہ وہیں سے شروع کر کے اپنے پھیرے مکمل کرے۔ اِس طرح کے فتووں کی کوئی دلیل قرآن و سنت یا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں قطعاً کہیں موجود نہیں ہے۔

---

[98] دیکھیے: ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ 21 / 273۔

6۔ پہلے طواف میں 'رَمل' اور 'اِضطباع' کا حکم

سوال: طواف میں 'رَمل' اور 'اِضطباع' کرنے کا کیا مطلب ہے؟ دین میں اِن کا ماخذ کیا ہے؟ اِن دونوں افعال کا اہتمام کس طواف میں کیا جاتا ہے؟ کیا یہ طواف کے کوئی لازمی افعال ہیں؟ اگر اِن کو ترک کر دیا جائے تو کیا حاجی پر دَم واجب ہو گا؟ کیا اِن دونوں افعال کے حکم کے بارے میں فقہا کے مابین کوئی اختلاف بھی ہے؟

جواب: دیکھیے، احرام باندھ کر حج یا عمرہ کی غرض سے آنے والے آفاقی مرد عازمین کے لیے علما و فقہا نے بالعموم طوافِ عمرہ یا طوافِ قدوم[99] کرتے ہوئے 'اِضطِباع' اور 'رَمل' کو اپنی فقہی اصطلاح کے مطابق 'مسنون'، یعنی پسندیدہ قرار دیا ہے۔ یہ دو افعال اِس طواف میں اُن کے نزدیک لازم تو نہیں ہیں اور نہ اِن کے ترک کرنے پر کوئی فدیہ یا دَم واجب ہو گا، تاہم یہ اُن کے نزدیک باعثِ اجر و فضیلت ہیں۔

جہاں تک 'اِضطباع' کے معنی کا تعلق ہے تو احرام میں اِس کے معنی یہ ہیں کہ مرد اپنا دایاں کندھا برہنہ رکھے، یعنی وہ اپنی چادر داہنی بغل سے نکال کر اپنے بائیں کندھے پر ڈالے رکھے۔ طوافِ عمرہ اور طوافِ قدوم میں اکثر فقہا نے اِسے مردوں کے لیے ساتوں پھیروں میں 'مسنون' بتایا ہے۔

تاہم امام مالک اور فقہاے مالکیہ کا موقف یہ ہے کہ 'اِضطباع' کا حکم ایک خاص سبب سے عارضی طور پر دیا گیا تھا۔ اِس سبب کے ختم ہو جانے کے بعد اب پہلے طواف میں بھی 'اِضطباع'

---

[99] 'طوافِ قدوم' سے مراد باہر سے آنے والوں کی بیت اللہ میں آمد اور وہاں پہنچنے پر کیا جانے والا پہلا طواف ہوتا ہے۔ اِس کی تفصیل اِس کتاب میں آگے "حج و عمرہ کے اہم فقہی مسائل اور اُن کا حل" کے زیرِ عنوان بیان ہو گی۔

کرنا مسنون و مشروع نہیں ہے۔ امام مالک سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: 'طواف میں اِضطباع کوئی معلوم و معروف فعل نہیں ہے اور نہ میں نے کسی کو اِس پر عمل کرتے دیکھا ہے'۔[100]

'رَمل' کی اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ آدمی چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ کندھے ہلا کر ذرا تیزی سے چلے[101] اور یہ چال اکثر فقہا نے طوافِ عمرہ یا طوافِ قدوم کے صرف پہلے تین چکروں کے لیے پسندیدہ قرار دی ہے، جب کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف یہ ہے کہ پہلے طواف میں بھی 'رَمل' اب مشروع و مسنون نہیں رہا ہے۔ اِس کا حکم ایک خاص سبب سے عارضی طور پر دیا گیا تھا۔ اُس سبب کے ختم ہو جانے کے بعد اب پہلے طواف میں بھی 'رَمل' کا اہتمام کرنا کوئی دائمی مشروع عمل نہیں ہے۔ یہ موقف تابعین میں سے جن ائمہ و علما نے اختیار کیا ہے، اُن کے نام یہ ہیں: عطاء، مجاہد، طاؤس، حسن البصری، سالم، القاسم، سعید بن جُبیر اور علی بن الحسین۔[102] 'رَمل' کی عدمِ مشروعیت کا یہی موقف بعض فقہاے حنفیہ نے بھی اختیار کیا ہے۔[103]

---

[100] دیکھیے: ابن رشد، البیان والتحصیل 3/ 449-450۔ ابن قدامہ، المغنی 3/ 391۔ الماوردی، الحاوی فی فقہ الشافعی 4/ 140۔ نووی، المجموع شرح المہذب 8/ 21۔ ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری 3/ 472۔ الشوکانی، نیل الاوطار 5/ 47۔ العظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد 5/ 236۔ سیف الدین ابو بکر الشاشی القفال، حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء 3/ 331۔

[101] دیکھیے: ابن منظور، لسان العرب، 11/ 295۔

[102] دیکھیے: مصنف ابن ابی شیبۃ 3/ 277۔ ابن عبد البر، التمہید 2/ 70۔ ابن عبد البر، الاستذکار 4/ 190۔

[103] دیکھیے: فتح القدیر 2/ 454۔ حاشیۃ ابن عابدین 2/ 498۔

علاوہ ازیں، عورتیں، بچے، سواری پر طواف کرنے والے اور جن طواف کرنے والوں کو دوسرے لوگ اُٹھا کر طواف کرا رہے ہوں؛ یہ سب مشروعیت کو ماننے والے فقہا کے نزدیک بھی 'اِضطباع' اور 'رَمل' کے اِس حکم سے مستثنیٰ قرار دیے گئے ہیں۔

اِس بات پر علما و فقہا کا، البتہ اتفاق ہے کہ حج کے طواف میں، طوافِ وداع میں اور ہر نفل طواف میں؛ جس میں آدمی حالتِ احرام میں نہ ہو، 'رَمل' اور 'اِضطباع' کرنا غیر مشروع ہے۔

جہاں تک اِن دونوں افعال کے ماخذ کا تعلق ہے تو اِن کی بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول بعض روایتیں ہیں۔ مثال کے طور پر سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حج کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ پہنچے تو اپنے پہلے طواف کے ابتدائی تین چکر آپ نے کندھے ہلاتے ہوئے ذرا تیز رفتاری سے لگائے، جب کہ باقی چار چکر معمول کی رفتار سے پورے کیے۔[104]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس طواف کے دوران میں نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں کندھا کھلا رکھا ہوا تھا اور اپنی چادر اِس طرح اوڑھی ہوئی تھی کہ اُس کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال رکھا تھا۔[105]

'رَمل' اور 'اِضطباع' کی تاریخ، آغاز اور اصل سبب کو جاننے کے لیے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی درجِ ذیل روایتیں پیشِ خدمت ہیں:

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مکہ

---

[104] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1218۔

[105] دیکھیے: سنن ابی داؤد، رقم 1884، 1889۔

آئے تو مشرکین نے اپنی باہم گفتگو میں کہا: تمھارے شہر میں ایسے لوگ آرہے ہیں جنھیں یثرب (مدینہ) کے بخار نے کم زور کر دیا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں کندھے ہلا کر ذرا تیزی سے چلیں (جس سے قوت کا اظہار ہو) اور رکن یمانی اور رکنِ حجرِ اسوَد کے مابین حسبِ معمول چال پر چلیں۔[106]

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مکہ آئے تو اُنھیں یثرب (مدینہ) کے بخار سے کچھ کم زوری لاحق تھی۔ مشرکین نے آپس میں کہا: کل تمھارے ہاں ایسے لوگ آرہے ہیں جنھیں بخار نے کم زور کر دیا ہے اور اُنھیں اِس سے بڑی تکلیف پہنچی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ (آپ اور آپ کے ساتھیوں کو اِس حال میں دیکھنے کے لیے) حطیم کے برابر میں آکر بیٹھ گئے۔ اِس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ بیت اللہ کے ابتدائی تین چکروں میں کندھے ہلا کر چھوٹے قدموں کی تیز اور مضبوط چال چلیں تاکہ مشرکین اُن کی قوت اور مضبوطی دیکھیں اور رکن یمانی اور رکنِ حجرِ اسوَد کے مابین عام چال پر چلیں۔ یہ دیکھ کر مشرکین کہنے لگے: یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تمھارا خیال تھا کہ اِنھیں بخار نے کم زور کر دیا ہے؟ یہ تو فلاں اور فلاں سے بھی زیادہ قوی ہیں۔[107]

یعنی سیدنا ابن عباس نے اِس طرز پر طواف کے پہلے تین چکر لگانے کا سبب اور توجیہ یہ بیان فرمائی ہے کہ مسلمانوں کو مشرکین کی طرف سے مدینہ جا کر کم زور ہو جانے کا طعنہ دیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے جواب میں لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ پہلے تین

---

[106] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1602۔

[107] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1266۔

پھیروں میں اِس طرح دوڑتے ہوئے چلیں اور خود بھی آپ نے اِسی طریقہ سے یہ طواف کیا۔

ابو طفیل سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا: کیا آپ کی رائے میں بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ابتدائی تین پھیروں میں تیزی سے چلنا اور آخری چار پھیروں میں عام چال پر چلنا سنت ہے؟ اِس لیے کہ آپ کی قوم کا خیال ہے کہ یہ سنت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: لوگوں کی یہ بات صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔ ابو طفیل کہتے ہیں کہ میں نے کہا: آپ کی اِس بات کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے تو مشرکین نے آپ سے حسد کی وجہ سے کہا تھا: محمد اور اِن کے ساتھی کم زوری کے باعث بیت اللہ کے طواف کی طاقت نہیں رکھتے۔ چنانچہ اِس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا تھا کہ ابتدائی تین چکروں میں چھوٹے قدموں کی تیز چال چلیں اور بعد کے چار پھیروں میں حسبِ معمول چلیں۔[108]

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بات کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس موقع پر تین پھیروں میں 'رمل' کیا تھا، اِس لحاظ سے لوگوں کی بات درست ہے، لیکن اِس عمل کو پہلے طواف میں ایک دائمی مشروع سنت سمجھنا؛ لوگوں کا یہ خیال درست نہیں ہے، اِس لیے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کو یہ حیثیت نہیں دی، بلکہ صرف کفار کے سامنے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی قوت کے اظہار کے لیے ایسا کیا تھا۔ اِس سبب کے ختم ہو جانے کے بعد اب اِس کا حکم بھی باقی نہیں رہا۔

---

[108] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1264۔

راقم السطور کے نزدیک مندرجہ بالا تفصیلات کی رو سے 'رمل' کے بارے میں سیدنا ابن عباس کا موقف درست ہے اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، یہی موقف تابعین میں سے عطاء، مجاہد، طاؤس، حسن البصری، سالم، القاسم، سعید بن جُبیر اور علی بن الحسین نے اور بعض فقہاے حنفیہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ غور کیجیے تو 'اضطباع' کا مقصد بھی وہی تھا جو 'رمل' کے بارے میں مذکورہ بالا روایتوں میں بیان ہوا ہے، یعنی پہلے تین پھیروں میں کندھے ہلاتے ہوئے مشرکین مکہ کے سامنے اظہارِ قوت کے لیے ایک کندھا برہنہ بھی رکھا گیا تھا۔ علاوہ ازیں، طواف کے اندر یہ دونوں ہی اعمال اپنی نوعیت کے لحاظ سے بھی تعبدی نہیں ہیں، لہٰذا اِن کو دائمی مشروع اعمال قرار دینا درست نہیں ہے۔ اور اِسی بنا پر امام مالک اور فقہاے مالکیہ کا یہ موقف بھی درست ہے کہ 'اِضطباع' کا حکم ایک خاص سبب سے عارضی طور پر دیا گیا تھا۔

7۔ 'طوافِ قُدوم' کس طواف کو کہتے ہیں؟

سوال: 'طوافِ قُدوم' کا کیا مطلب ہے؟ یہ کس طواف کو کہا جاتا ہے؟ اِس کا حکم اور طریقہ کیا ہے؟

جواب: بیت اللہ کا طواف، خواہ وہ طوافِ قدوم ہو، طوافِ عمرہ ہو، طوافِ حج ہو یا طوافِ وداع؛ ہر صورت میں یہ بیت اللہ کے سات پھیرے ہی ہوتے ہیں، جو کعبے کو اپنے بائیں طرف رکھ کر لگائے جاتے ہیں اور ہر چکر حجرِ اسوَد کے استلام سے شروع ہوتا اور اِسی مقام پر ختم ہوتا ہے۔ 'طوافِ قُدوم' کے معنی ہیں: باہر سے آنے والوں کی بیت اللہ میں آمد اور وہاں پہنچنے پر کیا جانے والا پہلا طواف۔ یعنی یہ مکہ مکرمہ پہنچ کر سب سے پہلے کیے جانے والے

طواف کو کہا جاتا ہے۔ طوافِ قدوم کے علاوہ اِس طواف کو 'طواف التحیۃ'، 'طواف الوُرود'، 'طواف القادم'، 'طواف الوارد' اور 'طواف اللقاء' بھی کہا جاتا ہے۔[109] اِس طواف کی مندرجہ ذیل متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ کوئی شخص حج یا عمرہ کے بجاے اپنے کسی ذاتی کام سے مکہ مکرمہ گیا ہو اور اُسے مسجدِ حرام میں داخل ہونے کی سعادت بھی نصیب ہو جائے۔ اِس صورت میں بیت اللہ میں داخل ہو کر جو طواف وہ کرتا ہے، وہ 'طوافِ قدوم' کہلاتا ہے۔ اِس طواف کی حیثیت 'تحیۃ بیت اللہ الحرام' کی ہوتی ہے، جیسے مثال کے طور پر کسی عام مسجد میں داخل ہو کر 'تحیۃ المسجد' کے طور پر دو رکعت نفل نماز ادا کی جاتی ہے۔ اِس طرح کا طواف، ظاہر ہے کہ ایک مشروع نفل طواف ہے، اِس لیے کہ یہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے ثابت ہے۔

طوافِ قُدوم کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کوئی آفاقی شخص صرف حج کے ارادے سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہو اور ایامِ حج شروع ہونے میں ابھی کچھ وقت یا دن باقی ہوں۔ اِس صورت میں بھی بالبداہت واضح ہے کہ وہ مسجدِ حرام میں پہلی مرتبہ داخل ہو کر جو پہلا طواف کرے گا، وہ حج یا عمرہ کا کوئی طواف نہیں ہو گا، بلکہ اُس کا یہ طواف 'تحیۃ المسجد الحرام' کے طور پر 'طوافِ قدوم' ہی کہلائے گا، جس کی حیثیت بھی ایک مشروع نفل طواف کی ہے۔

علاوہ ازیں، عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کر حرمِ مکہ میں داخل ہونے والے بیت اللہ کا جو پہلا طواف کرتے ہیں، وہ اصلاً طوافِ عمرہ ہوتا ہے، جو مناسکِ عمرہ کا بنیادی رکن ہے، کوئی نفل طواف نہیں ہے، لیکن عمرہ کے اِس طواف کو لغوی معنی کی رعایت سے 'طوافِ قدوم' بھی کہہ دیا جاتا ہے، اِس لیے کہ عملاً یہ بھی بیت اللہ میں پہلی مرتبہ آمد ہی کا طواف ہوتا ہے۔

---

[109] دیکھیے: علی بن نایف الشحود، الخلاصۃ فی احکام الحج والعمرۃ 2/ 17۔

8۔ حج و عمرہ میں سعی کا حکم ـــــ واجب یا تطوع؟

سوال: کیا صفا و مروہ کی سعی حج اور عمرہ کے لازمی مناسک میں سے ہے یا یہ تطوع ہے؟

جواب: حج اور عمرہ میں صفا و مروہ کی سعی کے بارے میں اہل علم کی تین آرا ہیں: ایک قول کے مطابق یہ حج کا رکن ہے، جس کو ادا کرنا حج کی صحت کے لیے لازمی شرط ہے اور چھوڑنے کی صورت میں کوئی فدیہ بھی قابل قبول نہ ہو گا۔ یہ جمہور فقہاے مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی راے ہے۔ دوسرے قول کے مطابق حج اور عمرہ، دونوں میں سعی کی حیثیت واجب کی ہے، یہ اِن عبادتوں کا رکن نہیں ہے۔ آدمی حج یا عمرہ میں اِسے ترک کرے گا تو قربانی کی صورت میں اِس کا فدیہ دے کر تلافی کرنی ہو گی۔ یہ قول امام ابو حنیفہ سے منقول ہے۔ فقہا کا تیسرا موقف یہ ہے کہ اِن دونوں عبادتوں میں سعی کی حیثیت ایک تطوع سنت کی ہے۔ یہ نہ رکن ہے اور نہ واجب۔

تینوں مواقف کے دلائل کا علمی و تجزیاتی مطالعہ کرنے کے بعد ہمارے نزدیک قوی ترین موقف یہی ہے کہ حج اور عمرہ کے مناسک میں صفا و مروہ کی سعی ایک مستحب و مندوب منسک کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ مناسکِ حج و عمرہ کا کوئی لازمی منسک نہیں ہے کہ جس کے ادا نہ کرنے کے نتیجے میں آدمی کا حج یا عمرہ نامکمل اور ناقابل قبول قرار پائے۔

حج و عمرہ اِس کے بغیر بھی ہر لحاظ سے مکمل ہو جاتے ہیں، جیسے مثال کے طور پر فرض نمازوں سے پہلے اور بعد کے نوافل کے بغیر صرف لازمی نماز ادا کرنے سے آدمی کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔ اِس موقف کے قوی ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اِس معاملے میں خود قرآن مجید نے صراحت کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ ”صفا اور مروہ یقیناً اللہ کے شعائر

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ. (البقرۃ2:158)

میں سے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو اِس گھر کا حج یا عمرہ کرنے کے لیے آئیں، اُن پر کوئی حرج نہیں کہ وہ اِن دونوں کا طواف بھی کرلیں، (بلکہ یہ ایک نیکی کا کام ہے) اور جس نے اپنے شوق سے نیکی کا کوئی کام کیا تو اللہ اُسے قبول کرنے والا ہے، اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔"

سورۂ بقرہ کی اِس آیت سے واضح ہے کہ صفا و مروہ کی پہاڑیاں من جملہ شعائر اللہ ہیں، اور حج و عمرہ کے موقع پر صفا و مروہ کی سعی ایک مشروع عمل ہے۔ تاہم مناسک میں اِس کی حیثیت تطوع و مندوب کی ہے۔ یہ اگر کی جائے تو باعث اجر ہوگی۔ یہ اِن کے لازمی مناسک میں سے نہیں ہے۔

قرآن مجید کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی اِسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ حج و عمرہ میں سعی کی حیثیت ایک تطوع عمل کی ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے بیت الحرام پہنچ کر عمرہ کیا تو اُس میں طواف کے بعد صفا و مروہ کی سعی بھی کی، جب کہ حج کے مناسک ادا کرتے ہوئے یوم النحر کو آپ نے صرف کعبۃ اللہ کا طواف کیا، صفا و مروہ کی سعی نہیں کی۔[110]

صفا و مروہ کی سعی کے بارے میں یہی موقف صحابۂ کرام میں عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ

---

[110] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1218۔ مسند احمد، رقم 14986۔

بن عباس، ابی بن کعب، انس بن مالک اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے، تابعین میں عطا بن ابی رباح، مجاہد اور ابن سیرین نے اور فقہاے اربعہ میں ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل نے اختیار کیا ہے۔[111]

سعی کو واجب قرار دینے والے اہل علم اپنے موقف کی تائید میں ایک حدیث بہ طور استدلال پیش کرتے ہیں، جس کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا ہے: ”سعی کرو، اِس لیے کہ اللہ نے سعی کو تم پر لازم کیا ہے۔“[112]

اِس روایت کے بارے میں عرض ہے کہ اولاً، یہ اپنے متن کے لحاظ سے قرآن مجید کی اوپر بیان کردہ صراحت کے خلاف ہے۔ ثانیاً، فن حدیث کی رو سے یہ ایک ضعیف اور ناقابلِ اعتبار روایت ہے۔ اِس کا کوئی طریق 'صحیح' یا 'حسن' کے درجے میں ثابت نہیں ہے۔

9۔ سعی کے کچھ حصے میں تیز دوڑنے کا حکم

سوال: صفا و مروہ کی سعی کے دوران میں ایک حصے میں لوگ تیز دوڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، اِس کی کیا وجہ ہے اور اِس کا حکم دین میں کہاں وارد ہوا ہے؟

جواب: قدیم زمانے میں صفا و مروہ کی پہاڑیاں اور اِن کے مابین کا پورا حصہ، جہاں سعی کی جاتی ہے، کھلے آسمان تلے ہوا کرتا تھا۔ اُس عہد میں نہ اِن پہاڑیوں کے اوپر کوئی عمارت تعمیر ہوئی تھی اور نہ اِن کے مابین کوئی عمارت موجود تھی۔ حجاج و معتمرین اُس زمانے میں کھلے آسمان تلے اِن پہاڑیوں پر چڑھتے اور پھر اِن سے اُتر کر طواف کے یہ پھیرے لگاتے تھے۔

---

[111] دیکھیے: ابن حزم، المحلی 7 / 97۔ دیکھیے: ابن قدامہ، المغنی 3 / 406۔

[112] دیکھیے: مسند احمد، رقم 27367۔

علاوہ ازیں، صفا سے اتر کر مروہ کی طرف آگے بڑھتے ہوئے کچھ فاصلے پر راستے میں ایک حصہ نشیبی زمین کا ہوا کرتا تھا، جو مروہ کی طرف جانے اور وہاں سے واپس صفا کی طرف آتے ہوئے راستے میں پڑتا تھا۔ پہاڑوں کے درمیان بارش کے پانی کا بہاؤ یہاں سے ہوا کرتا تھا۔ یہاں ڈھلان اور ریت والی نرم زمین ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ سعی کرنے والا جب یہاں پہنچتا تو اُس کے لیے عام چال چلنا مشکل ہو جاتا۔ اِس نشیبی حصے میں اُس کو بہر صورت تیز ہی دوڑنا پڑتا تھا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی یہی صورتِ حال تھی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر اِس طواف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صفا سے اُترتے تو معمول کی چال چلتے، یہاں تک کہ جب آپ کے قدم اِس نشیبی وادی کی ڈھلان میں اترنے لگتے تو آپ تیز دوڑتے، یہاں تک کہ اِس نشیبی وادی سے نکل جاتے۔[113]

جب کہ آج کے زمانے میں ہم دیکھتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ صفا و مروہ کی پہاڑیاں اور اِن کے مابین کے طواف کی پوری جگہ مسجد حرام کی نئی عمارت سے متصل با قاعدہ ایک عمارت کے تحت آگئی ہے، بلکہ سعی کی پوری جگہ پر کم و بیش سیدھا اور جدید طرز کا پختہ فرش بنا دیا گیا ہے، تاکہ حجاج و معتمرین کے لیے، سعی کرتے ہوئے دھوپ، گرمی اور گرد و غبار سے بچا کر، سہولت اور آسانی پیدا کی جائے۔ اِس عمارت میں قدیم زمانے کی نشیبی وادی کے آغاز اور انتہا کی نشان دہی کے لیے ماضی قریب میں دونوں جگہوں پر سبز رنگ کے ستون اور سبز رنگ ہی کے قمقمے لگائے گئے تھے، جب کہ آج کل اِس پورے حصے کی چھت میں سبز رنگ کے طویل قمقمے لگا دیے گئے ہیں تاکہ لوگ یہ جان سکیں کہ صفا و مروہ کے مابین یہ حصہ تھا، جہاں عہدِ قدیم

---

[113] دیکھیے: مسند احمد، رقم 15172۔

میں ڈھلان اور نشیبی زمین ہونے کی وجہ سے لوگ تیز دوڑتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہاں اِسی وجہ سے دوڑے تھے۔

غرض یہ کہ یہ بات بالکل قطعی ہے کہ صفا و مروہ کی دونوں پہاڑیاں من جملہ 'شعائر اللہ' ہیں، جیسا کہ قرآن مجید نے صراحت کی ہے۔ اِسی طرح یہ بھی شریعت میں ایک یقینی بات ہے کہ اِن دونوں کے مابین سعی کرنا مناسکِ حج و عمرہ میں ایک سنت ثابتہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم اِن کے مابین کا وہ حصہ جو ڈھلان پر واقع تھا، اُس کا اِس صورت میں نشیبی ہونا 'شعیرہ' کی نوعیت کی کوئی چیز نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے عہدِ جدید میں یہاں عمارت تعمیر کر کے اُس حصے کے نشیب اور ڈھلان کو ختم کر دیا ہے۔ اِس کا ڈھلان میں ہونا اور باقی رہنا دین میں 'شعیرہ' کی نوعیت کی کوئی چیز ہوتی تو بالبداہت واضح ہے کہ مسلمان ایسی تبدیلی کرنے کے مجاز نہیں تھے، بلکہ جدید طرز کے فرش میں بھی، اُن کو چاہیے تھا کہ اِس ڈھلان کو باقی رکھتے تاکہ آج بھی عہدِ قدیم کی طرح سعی کرنے والوں کے قدم یہاں آپ سے آپ تیز دوڑتے رہیں۔

ہمارے علما بالعموم اِس عمل کو مردوں کے لیے آج بھی اِس بنا پر پسندیدہ قرار دیتے ہیں کہ بعض صحابہ نے روایتوں میں اپنا یہ مشاہدہ بیان کیا ہے کہ اِس نشیبی مقام پر اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تیز دوڑتے ہوئے دیکھا تھا، ورنہ مسلمانوں کے لیے اِس کا باقاعدہ حکم قرآن و سنت اور احادیث نبویہ میں کہیں وارد نہیں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی عالم و فقیہ نے اِس عمل کو کبھی لازم قرار نہیں دیا ہے۔ علاوہ ازیں، علما نے تیز دوڑنے کے اِس عمل سے عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے کوئی ماخذ راقم السطور کے علم میں نہیں ہے کہ آپ نے اپنے سفر حج میں موجود صحابیات کے لیے صراحت کی ہو کہ وہ اِس عمل سے مستثنیٰ ہیں، جب کہ یہ واقعہ ہے کہ ہمارے علما بالعموم سعی کی اِس پوری سنت کی اساس سیدہ ہاجرہ کے عمل کو قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا روایتی نقطۂ نظر پر

یہاں بعض سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ اِس مقام پر اِس طرح تیز دوڑنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی بنا پر دین میں کوئی مشروع عمل ہے اور عورتیں اِس سے مستثنیٰ ہیں تو اِس استثنا کی صراحت خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہیں فرمائی، جب کہ حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی بڑی تعداد میں شریکِ سفر تھیں؟ دوسرے یہ کہ سعی کی مشروعیت کی بنیاد اگر سیدہ ہاجرہ کا عمل تھا اور اُس زمانے میں بھی یہ نشیبی مقام، ظاہر ہے کہ موجود تھا تو اب مسلمان عورتوں کے لیے اِسی مقام پر تیز دوڑنے کی ممانعت حج و عمرہ کی شریعت کے کس حکم کی بنیاد پر ہوئی ہے؟

اِس تفصیل کی روشنی میں راقم الحروف نے اِس مسئلہ پر جو تحقیق و تدبر کیا ہے، اُس کے مطابق عہدِ قدیم میں مسعیٰ کا جو حصہ ڈھلان میں تھا، اِس کے بارے میں یہ سمجھنا چاہیے کہ اِس ڈھلان کو شریعت نے مقرر کیا تھا، نہ اِس نشیب کو باقی رکھنے کا دین نے کہیں کوئی حکم دیا ہے۔ اِس مقام پر یہ ایک طبعی اور اتفاقی چیز تھی۔ اِسی طرح اِس مقام پر تیز دوڑنے کے عمل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی حیثیت سے حکم دے کر مسلمانوں میں جاری کیا ہو اور عورتوں کو اِس سے روکا ہو، اِس بات کا بھی دین میں کہیں کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ لہٰذا جاننا چاہیے کہ اِس مقام پر تیز دوڑنا سعی کرنے والوں کے لیے ایک اتفاقی چیز اور مجبوری تھی، اِس لیے کہ ایسی ڈھلان جہاں کہیں بھی راستے میں آجائے، یہ واقعہ ہے کہ ہر شخص وہاں نہ چاہتے ہوئے بھی تیز دوڑنے ہی پر مجبور ہو گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اسلامی شریعت میں یہاں تیز دوڑنے کا کوئی آسمانی حکم نازل نہیں ہوا ہے۔ اِس تناظر میں دیکھیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس مقام پر تیز دوڑتے ہوئے جن لوگوں نے دیکھا ہے، وہ بیانِ واقعہ ہے، نہ کہ بیانِ شریعت۔ حجۃ الوداع کے سفر کی وہ روایتیں جن میں بعض صحابہ نے اِس پورے سفر

کی رو داد بیان کی ہے، اُن کو تدبر کی نگاہ سے دیکھیے تو واضح ہو جاتا ہے کہ وہ جس طرح حج و عمرہ کے مشروع مناسک و اعمال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ نقل کر رہے ہیں، بعض فقہی مسائل میں لوگوں کے سوالات پر آپ کے ارشادات روایت کر رہے ہیں، اُسی طرح اِن روایتوں میں دین و شریعت سے قطع نظر، عام واقعات کا ذکر بھی جگہ جگہ آ گیا ہے۔ جیسے مثال کے طور پر آپ کس سواری پر سوار تھے، راستے میں آپ نے کس کس مقام پر پڑاؤ ڈالا، مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر آپ نے پہلے کس جگہ پر قیام فرمایا اور کس موقع پر زمزم کا پانی نوش فرمایا وغیرہ۔ روایت و مشاہدے میں بیان ہونے والی ہر چیز دین و شریعت کا حصہ نہیں ہوا کرتی، بلکہ بہت سی چیزیں بیانِ واقعہ کے طور پر بیان کی جاتی ہیں۔ تاہم جو چیز دین کا حصہ ہوتی ہے، وہ قرآن و سنت میں لازماً موجود ہوتی اور دین میں قطعیت سے ثابت ہوتی ہے اور وہ اپنے ثبوت کے لیے اخبارِ آحاد کی محتاج نہیں ہوتی۔

10۔ حج و عمرہ کے علاوہ صفا و مروہ کی نفلی سعی

سوال: حج و عمرہ کے علاوہ جس طرح بیت اللہ کا نفل طواف کیا جاتا ہے، کیا اُسی طرح صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے مابین تطوعاً سعی بھی کی جا سکتی ہے؟

جواب: بیت اللہ کا نفل طواف حج و عمرہ کے علاوہ بھی ہمیشہ سے معلوم، متعارف اور معمول بہ رہا ہے۔ مسجدِ حرام میں صرف نماز کے لیے حاضر ہونے والے بھی ہمیشہ سے اِس گھر کا نفل طواف کرتے آئے ہیں۔ حج کے موقع پر یوم الترویہ سے قبل بیت الحرام پہنچنے والے حجاج و زائرین بھی اِسی نفلی حیثیت میں 'طوافِ قدوم' کیا کرتے اور اِسی طرح وہ اپنے گھروں کو واپس روانہ ہوتے ہوئے بھی الوداعی نفل طواف کا اہتمام کیا کرتے ہیں۔ بیت اللہ کا

نفل طواف گویا مسجدِ حرام کے لیے ہمیشہ سے 'تحیۃ المسجد' کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ اور بعض موقعوں پر نفل طواف کرنے کی آپ کی ہدایت بھی مستند روایتوں سے ثابت ہے۔[114] اور اِسی پر طبقۂ صحابہ سے آج تک تمام مسلمانوں کا علم و عمل معلوم و معروف ہے۔

جہاں تک صفا و مروہ کی سعی کا تعلق ہے تو اِس کے بارے میں یہ بات تو درست ہے کہ مناسکِ حج و عمرہ میں یہ بھی ایک الگ منسک اور جزو کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن حج و عمرہ کے مناسک سے مجرد کر کے اِن دو پہاڑیوں کے مابین طواف کا عمل نہ دینِ ابراہیمی کی روایت میں کہیں ملتا ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے علم و عمل ہی سے یہ ثابت ہے۔ خود قرآن مجید نے بھی اِس کی ادائیگی کے حکم کو حج و عمرہ ہی کے ساتھ متعلق کر کے بیان کیا ہے: 'فَمَنۡ حَجَّ الۡبَیۡتَ اَوِ اعۡتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِ اَنۡ یَّطَّوَّفَ بِہِمَا'،[115] "چنانچہ وہ لوگ جو اِس گھر کا حج یا عمرہ کرنے کے لیے آئیں، اُن پر کوئی حرج نہیں کہ وہ اِن دونوں کا طواف بھی کر لیں"۔

چنانچہ صفا و مروہ کے مابین سعی کی صحت کے لیے یہ شرط ہے کہ اِسے حج یا عمرہ کی عبادت کے مناسک کے اندر اپنے موقع و محل پر ایک منسک کی حیثیت ہی سے ادا کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حج و عمرہ کے سوا اِس پر مسلمانوں کا کبھی عمل نہیں رہا، بلکہ تمام علما و فقہا حج و عمرہ سے مجرد کر کے صفا و مروہ کی نفلی سعی کو غیر مشروع قرار دیتے ہیں، اِس لیے کہ تمام تعبدی امور سر تا سر توقیفی ہوتے اور اُن کا اثبات تنہا شارع کی تشریع پر مبنی ہوتا ہے۔ فہم و اجتہاد کو اِس

---

[114] دیکھیے: مسند احمد، رقم 4462۔ سنن ابی داؤد، رقم 2002۔

[115] البقرۃ 2:158۔

باب میں کوئی دخل نہیں ہے۔[116]

علاوہ ازیں، صفا و مروہ کی سعی بھی طوافِ بیت اللہ ہی کی طرح 'عمومِ بلویٰ' کی نوعیت کا ایک عمل ہے، جس کا عقلی تقاضا ہے کہ یہ بھی حج و عمرہ کے سوا مسلمانوں کے لیے اگر دین میں مندوب ہوتی تو نفلی طواف ہی کی طرح دین ابراہیمی کی روایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے علم و عمل کی عمومی روایت کے طریقے پر ضرور نقل ہوتی اور نفلی طواف ہی کی طرح آج بھی مسلمان اِن دونوں پہاڑیوں کے مابین نفلی سعی بھی کر رہے ہوتے۔

تطوعات کے باب میں قرآن کے بیان کردہ ضابطے 'وَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا، فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيۡمٌ'،[117] "اور جس نے اپنے شوق سے نیکی کا کوئی کام کیا تو اللہ اُسے قبول کرنے والا ہے، اُس سے پوری طرح باخبر ہے" کو، ظاہر ہے کہ دین کی مجموعی ہدایت کی روشنی میں تطوعات کے باب میں حدود و شرائط کے ساتھ ہی سمجھا جائے گا۔

اِس آیت کو پیش نظر رکھ کر کوئی شخص اپنے فہم کی بنیاد پر نماز کی عبادت کے کچھ اجزا، مثلاً قیام، رکوع یا قعدے کو اُس سے مجرد کر کے انجام نہیں دے سکتا۔ اِسی طرح اعتکاف کی کچھ پابندیاں اپنے اوپر عائد کر کے اُس کو تطوع عبادت نہیں کہہ سکتا۔ روزے کی تین محظورات میں سے صرف کھانے اور پینے کی پابندی اختیار کر کے اُس کو نفل عبادت قرار نہیں دے سکتا۔ حج و عمرہ کے مشروع وردِ تلبیہ کو نفلی طور پر روزہ، اعتکاف یا عید کی قربانی کے

---

[116] دیکھیے: مجموعۃ من الباحثین باشراف الشیخ علوی بن عبد القادر السقاف، الموسوعۃ الفقھیۃ، التطوع بالسعی بین الصفا والمروۃ، الدرر السنیۃ 2/ 202۔

[117] البقرۃ 2: 158۔

ساتھ مشروع نہیں کر سکتا۔ ایک رکعت نفل نماز نہیں پڑھ سکتا۔ وضو کی شرط کو نظر انداز کر کے دو رکعت نفل نماز بھی ادا نہیں کر سکتا اور مناسکِ حج و عمرہ میں سے صرف محظوراتِ احرام کو نفل طور پر اختیار کر کے اپنے اِس عمل کو بھی تطوع عبادت قرار نہیں دے سکتا۔

لہٰذا تعبدی امور میں تطوعات کے بارے میں ایک بات یہ واضح رہنی چاہیے کہ مرکب اعمال یا احکام پر مشتمل جن عبادات کے نوافل ہمارے دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے مشروع کیے گئے ہیں، اُنھیں تطوعاً بھی شریعت میں قائم کردہ اُن کی مکمل صورت میں اور اپنے حدود و شرائط کے ساتھ ہی ادا کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر کوئی شخص نفل نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اُس کو شریعت کی مقرر کردہ حصولِ طہارت کی شرط کو بھی پورا کرنا ہو گا اور وہ کم از کم نفل نماز بھی دو رکعت ہی ادا کرے گا اور وہ بھی اُسی طرح ادا کی جائیں گی، جس طرح نماز کے اعمال واذکار کی شریعت میں مقرر و معلوم ہے۔ اِسی طرح روزے، اعتکاف اور حج و عمرہ کی نفل ادائیگی کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔

مرکب افعال پر مشتمل اسلامی شریعت کی کسی بھی عبادت کے متعین ڈھانچے میں نہ کوئی ترمیم واضافہ کیا جا سکتا ہے اور نہ اپنے اجتہاد سے اِن عبادات کے کچھ اجزا کو مجرد کر کے نفل عبادت قرار دیا جا سکتا ہے، اِس لیے کہ دین اسلام میں عبادات سر تا سر توقیفی ہیں، یعنی وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حتمی صورت میں متعین کر کے دے دی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دین کے تعبدی امور میں لوگ اپنی طرف سے اِس طرح کے جو اقدام بھی کرتے ہیں، اُنھیں غیر مشروع اور 'بدعت' کہا جاتا ہے۔

شریعت کی مرکب اعمال پر مشتمل عبادت کا کوئی جزو اگر اُس سے مجرد کر کے دین میں تطوعاً بھی مشروع ہو گا تو تنہا شارع کے قول و عمل ہی سے ہو گا، جیسے مثال کے طور پر حج و عمرہ کے تمام مناسک میں، اُن سے مجرد کر کے کوئی منسک اگر جزواً بھی مشروع ہوا ہے تو وہ صرف

بیت اللہ کا نفل طواف ہے۔ اِسی طرح نماز کی عبادت کے مشروع اعمال میں سے کوئی جزو اگر نماز کے سوا بھی مشروع ہے تو وہ اللہ کے حضور میں سجدہ ریز ہو جانا ہے، جیسے مثال کے طور پر سجدۂ تلاوت۔ یہ دونوں افعال اِس لیے مشروع ہیں کہ یہ خود شارع سے ثابت ہیں، ورنہ تعبدی امور میں مسلمانوں کے فہم و اجتہاد کو کوئی دخل نہیں ہے۔ مثال کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سجودِ تلاوت کو پیش نظر رکھ کر اپنے اجتہاد سے ہر سورت کی تلاوت مکمل کرنے پر سجدے کو مندوب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دوسرے یہ کہ یہ دونوں افعال اپنی ذات اور نوعیت ہی میں تعبدی حیثیت رکھتے ہیں۔ طوافِ بیت اللہ میں جس طرح ایک خاص پہلو اُس کے 'تحیۃ المسجد الحرام' ہونے کا ہے، اُسی طرح سجدے کے فعل میں خاص پہلو یہ ہے کہ یہ اپنی نوعیت ہی کے لحاظ سے خالص مظہرِ پرستش اور اظہارِ تذلل ہے، بر خلاف نماز کے قعدے، احرام کے مخصوص لباس اور دوسری بہت سی عبادات کے اجزا کے، جو اپنی مجرد حیثیت میں اصلاً مظاہرِ پرستش نہیں ہیں۔

غرض یہ کہ متعین عبادات سے مجرد کر کے جن اجزا کو بہ طور نفل ادا کرنا خود شارع سے ثابت ہو، صرف اُنھی پر عمل پیرا ہونا جائز ہو گا۔ کوئی مسلمان اپنے فہم کی بنیاد پر کسی عبادت کا کوئی جزو اُس سے مجرد کر کے اُس کو نفل عبادت قرار دینے کا مجاز نہیں ہے۔ ایسا کرنا دین میں 'بدعت' کہلائے گا۔

چنانچہ واضح ہوا کہ حج و عمرہ کے سوا جس طرح تطوع کے طور پر احرام، منیٰ میں جمرات کی رمی، قیامِ منیٰ یا وقوف عرفہ نہیں کیا جا سکتا، بالکل اُسی طرح حج و عمرہ کے سوا صفا و مروہ کے مابین تطوعاً سعی بھی نہیں کی جا سکتی، اِس لیے کہ 'سعی' کے لیے بھی مکانی قید کے علاوہ شرعاً یہ بھی لازم ہے کہ اِسے بہر حال حج یا عمرہ کے اندر اُس کے ایک منسک ہی کے طور پر ادا کیا

جائے۔ تفسیر ”تدبرِ قرآن“ میں سورۂ بقرہ کی آیت 158 کی تفسیر کرتے ہوئے امام امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے بھی اِس مسئلے میں اِسی موقف کی صراحت کی ہے، جو راقم السطور نے اِس سوال کے جواب میں یہاں عرض کیا ہے۔[118]

11۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران میں بہ تکرار عمرہ کرنا

سوال: کیا حج یا عمرہ کرنے والوں کے لیے یہ بات دین میں باعثِ اجر و فضیلت ہے کہ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران میں وہ جتنی مرتبہ عمرہ کر سکیں، ضرور کریں؟ کیا اِس طرح بار بار عمرہ کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طرزِ عمل سے ثابت ہے؟

جواب: بالعموم حجاج و معتمرین کی ایک مُعتد بہ تعداد کو دیکھا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں اپنے قیام کے دوران میں وہ حدودِ حرم سے باہر جاتے اور تنعیم کے علاقے کی معروف مسجد، مسجد عائشہ سے احرام باندھ کر عمرہ کرتے ہیں اور اپنے اِس عمل کو اپنی اپنی استطاعت کے مطابق دہراتے رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ عمرہ کی اِس طرح تکرار کو وہ دین میں بہت ہی باعثِ اجر و فضیلت بھی تصور کرتے ہیں۔

بنیادی طور پر یہاں ایک بات پہلے یہ سمجھ لینی چاہیے کہ تعبدی امور میں مسلمانوں کے لیے کوئی بھی متعین عمل دین اسلام میں اُس وقت تک مشروع اور پسندیدہ نہیں ہو سکتا، جب تک شارع کی طرف سے اُس کی تشریع و استحباب ثابت نہ ہو۔

عمرہ کی صورتِ مسؤلہ کے بارے میں قرآن و سنت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کی احادیث میں اِس طرح عمرہ کی تکرار کے لیے کوئی ماخذ موجود نہیں ہے، بلکہ قرآن

---

[118] دیکھیے: امام امین احسن اصلاحی، تدبرِ قرآن 1 / 394-395۔

و سنت کی رو سے حج اور عمرہ کی عبادات میں پسندیدہ طریقہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ آدمی حج کے لیے الگ سفر کرے اور عمرہ کے لیے الگ۔ دُور دَراز کے علاقوں سے آنے والوں کے لیے یہ حکم زحمت کا باعث ہو سکتا تھا، چنانچہ اِسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے باہر سے آنے والے حجاج کو اجازت دی ہے کہ وہ اگر چاہیں تو اپنے حج کے سفر میں عمرہ بھی کر سکتے ہیں، لیکن اِس رخصت سے فائدہ اُٹھانے کی بنا پر اُنھیں قربانی یا دس روزوں کی صورت میں فدیہ ادا کرنا ہو گا۔[119]

قرآن کے اِس حکم سے اللہ تعالیٰ کا یہ منشا صاف واضح ہے کہ اِن عظیم عبادات کی ادائیگی کی بہتر اور افضل صورت یہی ہے کہ آدمی اِن میں سے ہر ایک کے لیے الگ سے عزمِ سفر کرے۔ اور اِس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب حج کے سفر میں اُس کے ساتھ ایک عمرہ کرنے پر فدیہ عائد کر رہے ہیں تو پھر اُس کے نزدیک ایک سفر میں مکہ میں رہتے ہوئے بار بار عمرہ کرنا کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہو سکتا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک عمل دین میں پسندیدہ نہیں ہو سکتا تو یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اُس کا رسول اُس عمل کو انجام دے یا مسلمانوں کے لیے اُسے دین میں پسندیدہ قرار دے۔ چنانچہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور حج و عمرہ کے باب میں آپ کے اُسوہ کی روایتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حج یا عمرہ کے کسی سفر میں حرم سے باہر نکل کر عمر بھر کبھی کوئی عمرہ نہیں کیا اور نہ آپ نے قولی طور پر اِسے کسی پسندیدہ عمل کی حیثیت سے کبھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اِس سے واضح ہوا کہ اِس باب میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ عین قرآن کے منشا کے مطابق تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد حج یا عمرہ کے لیے مدینہ منورہ سے چار مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں۔ شہر مکہ میں مقیم رہتے ہوئے یہ اگر کوئی مشروع اور پسندیدہ عمل

---

[119] دیکھیے: البقرۃ 2:196۔

ہوتا تو اِن مواقع پر آپ اِسے ضرور انجام دیتے یا کم از کم مسلمانوں کے لیے اِسے بیان ضرور کر دیتے، جیسا کہ طوافِ وداع کے بارے میں آپ نے تلقین فرمائی ہے۔ لیکن اِس معاملے میں ایسا بھی نہیں ہوا، بلکہ فتح مکہ کے موقع پر تو آپ اُم القریٰ میں رمضان کے مہینے میں بغیر احرام کے داخل ہوئے اور پھر 19 دن تک مکہ میں مقیم رہے، لیکن اِس دوران میں بھی حدودِ حرم سے باہر نکل کر آپ نے کوئی عمرہ نہیں کیا۔[120]

چنانچہ جاننا چاہیے کہ جس طرح ایک سفر میں ایک سے زائد عمرہ کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، اُسی طرح مکہ مکرمہ سے باہر نکل کر کبھی عمرہ کرنا بھی آپ کے عمل سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔

علاوہ ازیں، ایک سفر میں ایک سے زائد عمرے کا اہتمام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ آپ کے صحابہ نے بھی کبھی نہیں کیا، بلکہ صدرِ اوّل میں تو یہ سوال زیر بحث رہا ہے کہ ایک سال میں ایک سے زائد بار عمرہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟[121]

حافظ ابن قیم الجوزیہ کہتے ہیں:

”رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر کبھی کوئی عمرہ مکہ مکرمہ سے باہر نکل کر نہیں کیا، جیسا کہ آج کل بہت سے لوگ عام طور پر کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے سب عمرے مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہوئے کیے ہیں۔ نزولِ وحی کے بعد آپ 13 سال تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے، لیکن ایسی کوئی روایت منقول نہیں ہے کہ جس سے ثابت ہو کہ اِس ساری مدت میں مکہ سے باہر جا کر بھی آپ نے کبھی کوئی عمرہ کیا ہو۔ آپ نے جو عمرہ کیا ہے

---

[120] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1846، 4276، 4298۔

[121] دیکھیے: ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد 2/ 86-95۔

اور جسے مشروع فرمایا ہے، وہ مکہ میں داخل ہونے والے کا عمرہ ہے، نہ کہ ایسا عمرہ کہ آدمی حرم سے باہر نکلے اور پھر عمرہ کی نیت کر کے واپس آجائے۔ آپ کے عہد میں ایسا عمل کبھی کسی نے نہیں کیا، سوائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے، جو حجۃ الوداع کے موقع پر دوسرے تمام صحابہ کی طرح آپ کے ساتھ شریکِ سفر تھیں۔ سیدہ نے یہ عمرہ اِس لیے کیا تھا کہ وہ مدینہ منورہ سے آپ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہوئی تھیں۔ پھر جب مکہ مکرمہ پہنچیں تو وہ ایام سے تھیں، جس کی وجہ سے وہ اپنا عمرہ ادا نہ کر سکیں، یہاں تک کہ حج کے ایام شروع ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں ہدایت کی کہ وہ اپنے عمرے کے اِسی احرام میں حج کی نیت کر لیں اور اُنھیں بتایا کہ حج میں کیا جانے والا اُن کا طواف و سعی اُن کے حج و عمرہ، دونوں عبادات کے لیے کافی ہو گا۔ تاہم حج کے بعد اُن کے دل میں یہ بات آئی کہ مدینہ سے اُن کے ساتھ آنے والی عورتیں حج اور عمرہ، دونوں عبادتوں کو الگ الگ انجام دے کر واپس جائیں گی اور وہ تمتع کی نیت کے باوصف صرف حج کے ساتھ لوٹیں گی۔ چنانچہ اِس پر اُن کی تطییبِ قلب کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے بھائی سے کہا کہ وہ اِنھیں تنعیم تک لے جا کر عمرہ کرائیں، لیکن نہ اُنھوں نے خود یہ عمرہ کیا، نہ باقی صحابہ میں سے کسی نے۔"[122]

روایاتِ باب کو جمع کر کے سیدہ عائشہ کے اِس واقعے کی تفصیل سے معلوم ہوتا کہ سیدہ اُس موقع پر مدینہ منورہ سے آپ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہوئی تھیں۔ پھر قافلے کے ساتھ جب مکہ مکرمہ پہنچیں تو وہ ایام سے تھیں، جس کی وجہ سے وہ اپنا عمرہ ادا نہ کر سکیں اور نتیجتاً احرام بھی نہ کھول پائیں، یہاں تک کہ حج کے ایام شروع ہو گئے اور اُنھوں نے نبی

---

[122] دیکھیے: ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد 2 / 89-90۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق تمام حجاج کے ساتھ اپنے اُسی احرام میں حج ادا کیا جو وہ عمرہ کی نیت سے باندھ کر مکہ آئی تھیں۔ حج کے بعد اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، کیا آپ سب حج اور عمرہ، دونوں کی ادائیگی کر کے لوٹیں گے اور میں صرف حج کے ساتھ واپس ہوں گی؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: عائشہ، اللہ کے ہاں تمھیں وہی کچھ ملے گا جو اِن سب کو ملے گا۔ پھر سیدہ عائشہ نے کہا: (اے اللہ کے رسول)، میرے دل میں یہ بات آرہی ہے کہ میں نے حج کرنے تک بیت اللہ کا طواف نہیں کیا۔ (چنانچہ سیدہ کے اصرار کو دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے بھائی سے کہا: عبدالرحمٰن، تم اِنھیں لے کر جاؤ اور تنعیم سے لا کر عمرہ کراؤ۔[123]

اِس سارے معاملے میں بھی آپ دیکھیں کہ اِس عمرہ کے لیے سیدہ کو آپ سے اجازت لینی پڑی ہے۔ مکہ مکرمہ میں ٹھیرے ہوئے اِس طرح عمرہ کرنا اگر دین میں پہلے سے کوئی مشروع اور پسندیدہ عمل ہوتا تو سیدہ کو آپ سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔ پھر طلبِ اجازت اور اصرار کی اصل وجہ وہ عمرہ تھا جس کا احرام باندھ کر وہ مدینہ سے روانہ ہوئی تھیں، لیکن معذوری کی بنا پر ادا نہ کر سکی تھیں، جب کہ آج کل جو لوگ مکہ میں قیام کے دوران میں بار بار عمرہ کرتے ہیں، اُن کے پاس ایسی کوئی وجہ بھی قطعاً نہیں ہوتی۔ سیدہ کو اتفاق سے یہ صورتِ حال پیش نہ آئی ہوتی تو بالبداہت واضح ہے کہ اِس عمرہ کا خیال بھی اُن کے دل میں نہ آتا، جیسا کہ معلوم ہے کہ اُس حج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود دوسرے صحابہ نے عمرہ کے لیے کوئی خواہش ظاہر نہیں کی۔

---

[123] دیکھیے: ناصر الدین البانی، حجۃ النبی 91-92۔

پھر واقعہ یہ ہے کہ اِس موقع پر سیدہ کے بھائی عبد الرحمٰن، جن کے ساتھ احرام باندھنے کے لیے وہ تنعیم تک گئی ہیں اور جن کے لیے بہ ظاہر موقع تھا کہ وہ بھی عمرہ کر لیں، اپنی دینی بصیرت کی بنیاد پر خود اُنھوں نے بھی اِسے اپنے لیے کوئی مشروع و مندوب عمل نہ سمجھا۔ چنانچہ روایتوں سے معلوم ہے کہ سیدہ کے ساتھ اُنھوں نے عمرہ نہیں کیا۔

سیدہ عائشہ کے اِس واقعہ سے زیادہ سے زیادہ جو بات اخذ کی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ حج کے سفر میں اگر کسی عورت کو وہی صورتِ حال پیش آجائے جو سیدہ عائشہ کو اتفاقاً پیش آگئی تھی اور وہ چاہتی ہو کہ جس عمرہ کی نیت سے وہ اپنے وطن سے نکلی تھی، اُسے ادا کر کے جائے تو انفرادی طور پر اُس عورت کے لیے کوئی حرج کی بات نہیں ہو گی کہ وہ حج کے بعد اپنا چھوٹا ہوا وہ عمرہ ادا کر لے۔ سب مسلمانوں کے لیے بغیر کسی عذر کے سیدہ کے اِس عمرے میں کوئی اُسوہ ہوتا تو سب سے پہلے اُسی زمانے کے مسلمان اِس پر عمل پیرا ہوتے۔ اِس واقعے کی روشنی میں یہی موقف شیخ ناصر الدین البانی نے اختیار کیا ہے۔[124]

اِس ساری بحث سے یہ بات متحقق ہوتی ہے کہ قرآن و سنت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کی رو سے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے یکے بعد دیگرے عمرہ کرنا ایک غیر مشروع اور خلافِ سنت عمل ہے؛ اِس لیے کہ جس نفل عبادت کی تکرار کو خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول یا فعل سے مسلمانوں کے لیے پسندیدہ قرار نہ دیا ہو اور آپ کے صحابہ کا بھی اُس پر عمل نہ ہو، وہ دین میں مندوب و مشروع نہیں ہو سکتی۔ یہی راے امام ابن تیمیہ، شیخ ناصر الدین البانی، شیخ محمد بن صالح عثیمین اور استاذ جاوید احمد غامدی صاحب نے اختیار کی ہے۔[125]

---

[124] دیکھیے: ناصر الدین البانی، سلسلة الاحادیث الصحیحة وشیء من فقهها وفوائدها 6 / 261۔

[125] دیکھیے: ناصر الدین البانی، سلسلة الاحادیث الصحیحة وشیء من فقهها وفوائدها 6 / 261۔ اور

اتنی بات، البتہ درست ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی کام سے حرمِ مکی سے باہر چلا جاتا ہے، کسی دوسرے شہر کا قصد کرتا ہے یا مدینہ منورہ کا سفر کرتا ہے اور پھر دوبارہ بیت الحرام کا قصد کرتے ہوئے وہ عمرہ کی نیت کر کے احرام کے ساتھ داخل ہوتا اور اِس طرح عمرہ کرتا ہے، جیسا کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ سے مکہ میں داخل ہو کر کیا تھا، تو اِس طرح عمرہ کرنے میں کوئی چیز خلافِ سنت نہیں ہے۔

12۔ حج و عمرہ میں طوافِ وداع کی حیثیت اور اُس کا حکم

سوال: حج یا عمرہ میں طوافِ وداع کے بارے میں بتائیے، یہ طواف کب کیا جاتا ہے؟ کیا یہ مناسکِ حج و عمرہ کا حصہ ہے؟ کیا یہ حاجی اور معتمر، دونوں پر واجب ہے؟ حاجی طوافِ وداع ترک کر دے تو کیا اُس پر دَم واجب ہو گا؟

جواب: حجاج اپنے وطن واپسی کے موقع پر بیت الحرام سے رخصت ہوتے ہوئے جو آخری طواف کرتے ہیں، اصطلاح میں اُس طواف کو 'طواف الوداع'، یعنی الوداعی طواف کہا جاتا ہے۔ حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے حجاج کے لیے طوافِ وداع کی تلقین ثابت ہے۔[126] اِسی طرح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو عورتیں

دیکھیے: 'موقع الاسلام سوال وجواب' ویب سائٹ پر سوال بہ عنوان: 'حکم تکرار العمرۃ من مکۃ، وحکم طواف الافاضۃ للحائض' اور 'الاعتمار لاکثر من شخص فی سفرۃ واحدۃ'۔ یوٹیوب پر جاوید احمد غامدی صاحب سے پوچھے گئے سوال بہ عنوان 'Can we perform Multiple Umrah in one visit' کا جواب۔

[126] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1327۔

ایام سے ہوں، وہ طوافِ وداع کیے بغیر بیت الحرام سے رخصت ہو سکتی ہیں۔[127] تاہم عمرہ کے سفر سے واپسی پر طوافِ وداع کرنا یا لوگوں کو اِس کی تلقین کرنا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ثابت نہیں ہے؛ اِس کے باوصف کہ حجۃ الوداع کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے۔[128]

طوافِ وداع کے بارے میں پہلی بات تو یہ جاننا چاہیے کہ یہ طواف حج یا عمرہ کے اپنے مناسک کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ حج کا طواف صرف ایک ہی ہے، جو یوم النحر کو حجاج 'طواف الاِفاضۃ' یا 'طواف الزیارۃ' کے نام سے کرتے ہیں اور عمرہ کا طواف بھی ایک ہی ہے، جو اُس کا بنیادی رکن ہے۔ حج اپنے تمام مناسک کے ساتھ اُس وقت مکمل ہو جاتا ہے جب حجاج ایامِ تشریق میں قیام منیٰ اور رمی جمرات سے فارغ ہو جاتے ہیں، اور عمرہ کے مناسک سَر کا حلق یا قصر کرانے پر اپنے اتمام کو پہنچ جاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ طوافِ وداع جب اصلاً حج و عمرہ کے مناسک کا حصہ نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ یہ حاجی یا معتمر پر لازم بھی کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جاننا چاہیے کہ باہر کے حاجیوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب کی بنا پر 'طوافِ وداع' کی حیثیت ایک نفل اور پسندیدہ طواف کی ہے۔

اِس میں عورتوں کے لیے بیانِ رخصت سے بھی صاف واضح ہے کہ یہ طواف حجاج کے لیے کوئی لازمی طواف نہیں ہے، بلکہ تطوع ہے۔ یہ اگر لازم ہوتا تو 'طواف الافاضۃ' کی طرح

---

127 دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 328، 329۔ صحیح مسلم، رقم 1211۔

128 یہ معلوم ہے کہ اِن تینوں میں سے پہلے عمرہ کے موقع پر حدیبیہ کے مقام پر آپ اور آپ کے صحابہ محصور ہو گئے تھے اور حرمِ مکی میں داخل نہیں ہو سکے تھے۔

اِس کو کر کے جانا ہی لازم ہوتا، لہٰذا اِس کو ترک کرنے پر کوئی دَم یا فدیہ بھی واجب نہیں ہوتا، جیسا کہ امام مالک، امام داؤد، ابن منذر، فقہاے مالکیہ اور بعض شافعیہ نے اِس کی صراحت کی ہے۔[129]

تیسرے یہ کہ عمرہ کے سفر سے واپسی پر بھی 'طوافِ وداع' کرنا یا لوگوں کو اِس کی تلقین کرنا اگرچہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ثابت نہیں ہے، تاہم اِس کے باوجود نفل طواف کرنا بجاے خود چونکہ ایک مشروع و ثابت عمل ہے، لہٰذا آفاقیوں کے لیے عمرہ کے سفر میں بھی بیت اللہ سے رخصت ہوتے ہوئے الوداعی طواف کرنا اُسی طرح ایک مندوب و مستحب عمل ہو گا، جس طرح حرم میں قیام کے دوران میں عام نفل طواف پسندیدہ ہوتا ہے۔ طواف کی اِن دونوں صورتوں میں سواے نام کے کوئی فرق نہیں ہے۔ ایک حرمِ مکی میں قیام کے دوران میں کیا جاتا ہے اور دوسرا رخصت ہوتے ہوئے 'آخری طواف' کہلاتا ہے۔

13۔ عورت کے ایام اور طوافِ حج

سوال: کسی عورت کو طوافِ حج سے پہلے اگر ایام لاحق ہو جائیں اور اپنی فیملی یا گروپ کے ساتھ اُس کی وطن واپسی کا وقت بھی بالکل قریب آگیا ہو تو اِس صورت میں اُس کے لیے کیا

---

[129] دیکھیے: ابو عمر یوسف بن عبد اللہ القرطبی، الکافی فی فقہ اہل المدینۃ 1/ 406۔ ابن قدامہ، المغنی 3/ 393۔ عبد الکریم بن محمد ابو القاسم الرافعی، العزیز شرح الوجیز المعروف بالشرح الکبیر 3/ 447۔ نووی، المجموع شرح المہذب 8/ 284۔

حکم ہو گا؟ بہ ظاہر اِس حالت میں وہ نہ بیت اللہ کا طواف کر سکتی ہے اور نہ اُس کے لیے دوبارہ مکہ مکرمہ آکر طوافِ حج کرنا ممکن ہے، لہٰذا سوال یہ ہے کہ ایسی مشکل اور مجبوری کی صورتِ حال میں وہ اپنے مناسکِ حج مکمل کر کے اپنے قافلے کے ساتھ وطن کیسے روانہ ہو؟

جواب: دیکھیے، شریعت میں یہ تو بالکل متعین ہے کہ حالتِ حیض میں عورت نماز نہیں پڑھ سکتی، کیونکہ اِس کے لیے پہلی شرط حیض سے پاکیزگی ہے اور دوسری شرط وضو کر لینا ہے۔ اور جب تک وہ پہلی شرط پوری نہیں کرتی، دوسری شرط بھی بالبداہت واضح ہے کہ پوری نہیں ہو سکتی۔

اب جب وہ نماز نہیں پڑھ سکتی تو یہ اِسی حکم کا نتیجہ ہے کہ وہ نماز کی جگہوں پر، یعنی مساجد میں بھی نہیں جا سکتی، جیسے مثال کے طور پر حالتِ جنابت میں کوئی مرد یا عورت مسجد میں نہیں ٹھیر سکتی۔ اب ایک طرف آپ اِس دوسرے حکم، یعنی مسجد میں جانے کی پابندی کو دیکھیے اور دوسری طرف بیت اللہ کو دیکھیے، جس کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ خدا کا یہ گھر نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ اولین اور قدیم ترین مسجد ہے، بلکہ دنیا کی تمام مساجد میں اِس کی مرکزیت، شرف اور تقدس بھی سب سے بڑھ کر ہے، لہٰذا حالتِ حیض میں عورت جب کسی عام مسجد میں نہیں جا سکتی تو مسجدِ حرام میں کیسے جا سکتی ہے، اور جب وہ وہاں جا نہیں سکتی تو اِس کے نتیجے میں بالبداہت واضح ہے کہ طواف بھی نہیں کر سکتی۔ یہ ہم نے اصل حکم کی تنقیح کی ہے کہ حالتِ حیض میں اصل مانع شرعی طواف کا عمل بہ ذاتِ خود نہیں ہے، بلکہ مقامِ طواف، یعنی مسجدِ حرام میں کعبۃ اللہ کے جوار میں اِس کی ادائیگی در اصل مانع ہے۔ اور واضح رہے کہ اِس حکم کا تعلق صرف حج و عمرہ کے طواف سے نہیں ہے، بلکہ اِس حالت میں نماز پڑھنے اور مساجد میں جانے کی ممانعت ایک عام شرعی حکم ہے۔

علاوہ ازیں، عورت کا حالتِ حیض میں ہونا شرعاً اِس کو حج و عمرہ کے مناسک میں سے کسی

دوسرے منسک سے بالکل نہیں روکتا؛ اِس لیے کہ حج وعمرہ کی عبادات کے لیے اسلامی شریعت نے حیض یا نفاس سے طہارت کو شرط قرار نہیں دیا۔ یعنی اِس حالت میں وہ حج وعمرہ کا آغاز بھی کر سکتی ہے اور شروع کرنے کے بعد اگر ماہواری آجائے، تب بھی وہ تمام مناسکِ حج یا عمرہ دوسرے لوگوں کی طرح بلا تردد ادا کر سکتی ہے، سوائے دو اعمال کے: ایک طوافِ بیت اللہ اور دوسرے نماز۔ نماز کی ممانعت کا حکم عام ہے، مناسک حج وعمرہ سے اِس کا براہِ راست تعلق نہیں ہے اور طواف کی پابندی کی وجہ، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، اِس عمل کا مسجدِ حرام میں ہونا ہے، ورنہ اِس حالت میں بھی عورت تلبیہ پکارے گی، احرام کی تمام پابندیوں کا خیال رکھے گی، قیام منیٰ، وقوفِ عرفہ، وقوفِ مزدلفہ، رمی جمرات، قربانی، بالوں کا قصر کرانا اور یہاں تک کہ صفا و مروہ کی سعی کرنے میں بھی حائضہ کے لیے کوئی شرعی مانع نہیں ہے، اِس لیے کہ مسعٰی کی عمارت آج کی تعمیر میں بھی مسجدِ حرام کے احاطے سے خارج شمار کی جاتی ہے، جیسے مثال کے طور پر مسجدِ حرام کی عمارت کے باہر کے صحن ہیں، جہاں لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد یہی صورتِ حال سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیش آگئی تھی، چنانچہ اِسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: تم جب تک حیض سے پاک نہیں ہو جاتی، بیت اللہ کے طواف کے سوا باقی ہر وہ عمل کر سکتی ہو جو ایک حاجی کرتا ہے۔[130]

یہاں جملۂ معترضہ کے طور پر ایک بات یہ بھی سمجھ لینی چاہیے کہ حج وعمرہ میں اِس طرح کی صورتِ حال سے بچنے کے لیے اور اپنے تمام مناسک بغیر کسی شرعی رکاوٹ کے بر وقت ادا کرنے کی غرض سے جو عورتیں کوئی طبی تدبیر اختیار کر لیں، یعنی اپنے طبیب سے ایسی کوئی دوا

---

[130] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 294۔

لے لیں جو ماہواری کے آنے میں مانع ہو جائے یا جاری حیض جلد منقطع ہو جائے تو اِس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے دور کے بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں بھی اِس طرح کے بعض طبی طریقے اختیار کیے جاتے اور بعض صحابہ و تابعین سے اِس بارے میں سوال بھی کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے بھی اِس پر نہ صرف یہ کہ کوئی نکیر نہیں کی، بلکہ تصویب فرمائی تھی۔[131]

مزید یہ بھی جاننا چاہیے کہ طوافِ وداع ایک نفل طواف ہے، جو حج یا عمرہ کے اپنے مناسک کا حصہ نہیں ہے۔ اور جو خواتین ایام سے ہوں، وہ یہ طواف کیے بغیر بھی اپنے وطن واپس جا سکتی ہیں۔ اِس حالت میں عورتوں کو طوافِ وداع کے بغیر چلے جانے کی رخصت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے۔[132]

تاہم حج کا طواف تو بہر حال لازم ہے۔ اگر پاکیزگی کی حالت لوٹ آنے تک عورت کے لیے مکہ مکرمہ میں قیام ممکن ہو تو لازماً وہ طُہر کی حالت لوٹ آنے تک انتظار کرے گی اور پھر غسل کر کے طوافِ افاضہ کرے گی۔ ایسی عورت کے لیے، ظاہر ہے کہ کوئی رخصت نہیں ہے۔

جو عورت، البتہ پاکیزگی کی حالت لوٹ آنے تک انتظار نہیں کر سکتی، اپنے قافلے کے ساتھ اُس کا جانا ضروری ہے، لیکن وہ کسی دور دراز کے علاقے سے بھی تعلق نہیں رکھتی، بلکہ قریب کے کسی شہر سے آئی ہے اور طوافِ حج کے لیے دوبارہ سفر کر کے واپس مکہ مکرمہ آ سکتی ہے تو ایسی عورت پر بھی جس طرح واپس آ کر یہ طواف کرنا لازم ہے، اُسی طرح اُسے یہ بات بھی اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ جب تک وہ دوبارہ مکہ آ کر اپنا طوافِ حج نہیں کر لیتی، نہ

---

[131] دیکھیے: مصنف عبد الرزاق، رقم 1220، 1219۔

[132] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 328، 329۔ صحیح مسلم، رقم 1211۔

صرف یہ کہ شرعاً اُس کا حج نامکمل سمجھا جائے گا، بلکہ اِس عرصے کے دوران میں احرام کی ایک سب سے بڑی پابندی بھی اُس پر عائد رہے گی۔ اور وہ یہ کہ اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو اِس دورانیے میں وہ نکاح نہیں کر سکتی اور اگر شادی شدہ ہے تو واپس آکر طوافِ حج کر لینے تک وہ اپنے شوہر سے ازدواجی تعلق قائم نہیں کر سکتی۔ تاہم اِس کے بجائے اگر وہ طوافِ حج کے بغیر، احرام کی اِن مذکورہ پابندیوں سے نکلنا چاہے تو حالتِ احصار کے حکم کے تحت وہ حرم میں ایک جانور قربان کر کے حلال ہو سکتی ہے، لیکن اِس صورت میں اُس کا یہ حج غیر اداشدہ شمار ہو گا۔ اگر یہ اُس کا فرض حج تھا تو استطاعت کی صورت میں حج کی فرضیت اُس پر باقی رہے گی۔

لیکن جو حائضہ عورت مکہ مکرمہ میں مزید قیام بھی نہیں کر سکتی؛ قافلے کے ساتھ اُس کا جانا ضروری ہے، اپنی فلائیٹ بھی وہ کسی صورت میں موخر نہیں کرا سکتی اور اپنے وطن سے دوبارہ سفر کر کے واپس مکہ آنے کی استطاعت بھی وہ نہیں رکھتی؛ یہ صورتِ حال ایسی ہے کہ جس کو معمول کی حالت نہیں کہا جا سکتا، بلکہ یہ ایک تنگی، مشکل اور مجبوری کی صورتِ حال ہے۔ لہٰذا محقق رائے کے مطابق اِس صورت میں وہ عام حکم عورت پر لاگو نہیں ہو گا جو اوپر بیان ہوا ہے کہ 'طوافِ افاضہ' بہر حال کر کے ہی جانا ہو گا، بلکہ ایسی صورتِ حال میں عورت کو ایک رخصت حاصل ہو جائے گی۔

اِس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت کا اپنا مزاج یہ ہے کہ اِس طرح کی مشکل، تنگی اور معذوری میں وہ انسانی حالات کی رعایت کرتی، تنگی کو دور کرتی اور آسانی کا حکم دیتی ہے۔ جیسے مثال کے طور پر سفر یا مرض کی وجہ سے رمضان کا روزہ رکھنا آدمی کے لیے مشکل ہو جائے تو شریعت نے رخصت دی ہے کہ ایسی صورت میں روزہ چھوڑ دیا جائے۔ اِس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ بھی بیان فرمایا ہے کہ "اللہ تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے اور نہیں چاہتا کہ

تمھارے ساتھ سختی کرے"۔[133] ایک مقام پر قرآن کا ارشاد ہے کہ "اللہ کسی پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا"۔[134] اِسی طرح ارشاد فرمایا ہے کہ "اور (جو) شریعت (تمھیں عطا فرمائی ہے، اُس) میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے"۔[135] وضو یا غسل کرنا مشکل ہو جائے تو تیمم کی رخصت دے کر فرمایا کہ "اللہ تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالنا چاہتا"۔[136] دین و شریعت میں آسانی اور رفع حرج کا ضابطہ واضح کرنے کے لیے یہاں قرآنی بیانات کی یہ مثالیں بیان کرنا کافی ہے، ورنہ اسلامی شریعت کے احکام سے رخصت دینے، آسانی پیدا کرنے اور رفعِ حرج کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

چنانچہ واضح ہوا کہ شریعتِ اسلامی نہ صرف یہ کہ انسانی حالات کی رعایت کرتی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے آسانی، سہولت اور رفع حرج چاہتا ہے۔ اُنھیں سختی، تکلیف اور تنگی میں ڈالنا خدا کو مطلوب نہیں ہے۔

دین کا یہی ضابطہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی واضح ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: بلاشبہ دین آسان ہے۔[137] اِسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ "لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرو، اُنھیں مشکل میں نہ ڈالو اور اُنھیں اطمینان دلاؤ، اُن کو بھگاؤ نہیں"۔[138] آپ

---

[133] دیکھیے: البقرۃ 2:185۔

[134] دیکھیے: البقرۃ 2:286۔

[135] دیکھیے: الحج 22:78۔

[136] دیکھیے: المائدۃ 5:6۔

[137] دیکھیے: السنن الصغریٰ، نسائی، رقم 5034۔

[138] دیکھیے: مسند طیالسی، رقم 2199۔

کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اِس امت کے لیے آسانی کو پسند فرمایا اور مشکل کو ناپسند کیا ہے۔ آپ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی"۔[139]

لہٰذا قرآن وحدیث کے مذکورہ بالا ضابطے کی رو سے ایسی حائضہ عورت کے لیے جو مکہ مکرمہ میں رُک کر اپنی پاکیزگی کا انتظار کر سکتی ہے، نہ اُس کے لیے دوبارہ اپنے وطن سے واپس مکہ آنا ممکن ہے؛ تنگی اور سختی کا کوئی حکم نہیں ہوگا، بلکہ اُس کے لیے اِس مشکل اور معذوری کی بنا پر حیض سے پاک ہونے کی شرط ساقط ہوجائے گی (إذ الضرورة تبيح المحظور)۔ اور وہ اپنے وطن روانگی سے پہلے اِسی حالت میں اپنے لباس میں احتیاط کا ایسے اہتمام کر کے مسجدِ حرام میں اِس طرح داخل ہو کہ اُس کے خون سے مسجدِ حرام کی آلودگی کا بالکل کوئی امکان باقی نہ رہے اور اِس طرح وہ 'طوافِ افاضہ' کر کے اپنے مناسکِ حج مکمل کر لے۔ شریعت کی رو سے اِس طرح کی معذوری ومجبوری میں اُس کے لیے ایسا کرنا جائز ہوگا۔ اِس طرح کی صورتِ حال کسی عورت کو اگر عمرہ کے سفر میں پیش آجائے تو طوافِ عمرہ کا حکم بھی یہی ہوگا۔ علما وفقہا میں یہ موقف امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم نے اختیار کیا ہے۔ اور اِسی قول پر سعودی عرب کے علما کی دائمی کمیٹی، دار الافتاء المصریۃ، شیخ عبد العزیز بن باز، علامہ ابن عثیمین، ڈاکٹر خالد مصلح اور دوسرے بہت سے علما ومحققین نے فتویٰ دیا ہے۔[140]

---

[139] دیکھیے: المعجم الکبیر، طبرانی، رقم 17092۔

[140] دیکھیے: عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز، فتاویٰ تتعلق باحکام الحج والعمرۃ والزیارۃ، رقم 77-78۔ محمد بن عبد العزیز المسند، فتاویٰ اسلامیۃ 2/ 237-238۔ احمد مصطفیٰ متولی، المجموع الثمین لفتاوی الحج والعمرۃ لابن باز وابن عثیمین وابن جبرین 85-86۔ اور دیکھیے 'دار الافتاء المصریۃ' ویب سائٹ پر سوال وجواب بہ عنوان 'حكم أداء طواف الإفاضة وطواف العمرة للحائض' کا جواب۔

14۔ عورت اپنے ایام میں بیت اللہ کا طواف کیوں نہیں کر سکتی؟

سوال: دین میں یہ معلوم ہے کہ آدمی حالتِ جنابت میں اور ماہواری کی حالت میں عورت عدمِ طہارت کی بنا پر نماز نہیں پڑھ سکتی، لیکن حالتِ جنابت یا حیض میں نماز پڑھنے کی ممانعت سے یہ نتیجہ شریعت میں کیسے نکلا کہ عورت اِس حالت میں نماز کی جگہ پر بھی نہیں جا سکتی؟ لہٰذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دین میں اِس حکم کا ماخذ کیا ہے؟

جواب: حالتِ جنابت میں آدمی نماز کی جگہوں، یعنی مساجد میں نہیں جا سکتا، الاّ یہ کہ مسجد سے صرف گزرنا پیشِ نظر ہو؛ یہ قرآنِ مجید کا منصوص حکم ہے۔[141] پھر اِسی حکم پر قیاس کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کے علاوہ حائضہ عورتوں کو بھی مساجد میں داخلے سے منع فرمایا۔ اِس مضمون کی متعدد روایتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی حیثیت سے ثابت ہیں۔ مثال کے طور پر عورتوں کو آپ نے تلقین فرمائی کہ عید کی نماز میں وہ ضرور حاضر ہوں، بلکہ جو عورتیں حیض سے ہوں، وہ بھی کم از کم خطبہ سننے کے لیے آئیں، البتہ وہ نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔[142] اِسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر حالتِ حیض میں سیدہ عائشہ کو آپ نے جو فرمایا ہے کہ تم طواف کے سوا حج کے باقی سارے مناسک ادا کر سکتی ہو؛ یہ بھی قرآن کے مذکورہ بالا منصوص حکم ہی کی بنیاد پر فرمایا ہے۔ غور کیجیے کہ جب اِس حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا و مروہ کی سعی کی اجازت دے رہے ہیں اور طواف کی ممانعت فرما رہے ہیں تو اِس سے یہ بات بالبداہت واضح ہو جاتی ہے کہ دونوں کے حکم میں فرق کی اصل وجہ

---

[141] دیکھیے: النساء 4: 43۔

[142] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 890۔

مناسک بہ ذاتِ خود نہیں ہیں، بلکہ اِن کے مقام کا فرق ہے۔ یعنی ایک مسجد میں ادا ہوتا ہے اور دوسرا غیر مسجد میں۔ خود مناسک کے لیے حیض سے پاکیزگی حاصل کرنا لازم ہوتا تو پھر سعی اور دوسرے تمام مناسک کے لیے بھی یہ لازم ہونا چاہیے تھا، جب کہ اِس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ طواف کے سوا مناسکِ حج و عمرہ کے کسی منسک کے لیے نہ حیض سے طہارت حاصل کرنا شرط ہے اور نہ باوضو ہونا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشادات اور حکم سے علما و فقہا نے بجا طور پر سمجھا ہے کہ حائضہ کی نجاست چونکہ جنبی ہی کے درجے کی یا اِس سے بھی اوپر کی ہے؛ اِسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کا الحاق جنبی سے متعلق مندرجہ بالا قرآنی حکم سے فرمایا ہے۔ لہٰذا، اس لیے مسجد میں جانے اور ٹھیرنے کے حوالے سے جنبی اور حائضہ، دونوں کا حکم یکساں ہے۔

15۔ حائضہ کے لیے صفا و مروہ کی سعی کا حکم

سوال: کیا ماہواری کی حالت میں عورت حج یا عمرہ کے مناسک میں صفا و مروہ کی سعی کر سکتی ہے؟ کیا مسجد الحرام کی حالیہ عمارت میں صفا و مروہ اور اِن کے مابین کی ساری عمارت مسجدِ حرام کا حصہ ہے یا نہیں؟

جواب: اِس سوال کے حوالے سے پہلی بات تو یہ جاننا چاہیے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صفا و مروہ کی سعی کے بارے میں اِس طرح کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا، اِس لیے کہ اُس زمانے میں صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر مسجد کی کوئی عمارت نہیں ہوا کرتی تھی، بلکہ یہ پہاڑیاں اور اِن کے مابین کی ساری جگہ بھی بالکل کھلے آسمان کے تلے ہوا کرتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ حالتِ حیض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ کو صرف طوافِ بیت اللہ سے روکا اور باقی تمام مناسک معمول کے مطابق ادا کرنے کی تلقین فرمائی، جن میں صفا و مروہ کی سعی بھی، بالبداہت واضح ہے کہ شامل تھی۔

آج کے زمانے میں یہ سوال اِس لیے پیدا ہوتا ہے اور ہونا چاہیے کہ اب مسعٰی کی ساری عمارت بھی بہ ظاہر مسجدِ حرام ہی کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ اگر اب مسجدِ حرام کے احاطے میں آتی ہے تو اِس صورت میں حائضہ عورتیں مسعٰی کی عمارت میں بھی داخل نہیں ہو سکتیں اور نتیجتاً اِس حالت میں صفا و مروہ کی سعی بھی اِن کے لیے ممنوع قرار پاتی ہے، لیکن یہ حصہ اگر آج بھی احاطۂ مسجدِ حرام میں شامل نہیں ہے تو اِس صورت میں تمام عورتوں کے لیے ہر حال میں سعی جائز ہو گی، لیکن ہمارے لیے لازم ہو گا کہ ہمارے پاس اِس بات کی دلیل موجود ہو کہ مسعٰی کی عمارت مسجدِ حرام سے خارج ہے۔ اِس کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

جہاں تک مسعٰی کی موجودہ عمارت کا تعلق ہے تو اِس کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی مرتبہ یہ اپنی اولین صورت میں 1375ھ میں سعودی عہد ہی میں بنائی گئی، جس کے بعد تدریجاً اِس عمارت میں بہتری اور اضافے کیے جاتے رہے ہیں۔ اِس سے پہلے زمانۂ قدیم میں صفا و مروہ کی پہاڑیاں اور اُن کے مابین کا مسعٰی مسجدِ حرام سے بالکل الگ اور کھلے آسمان کے نیچے ہوا کرتا تھا اور اِن دونوں پہاڑیوں کے درمیان کا ایک حصہ نشیبی بھی تھا، جہاں پہنچ کر ڈھلان کی وجہ سے سعی کرنے والوں کی چال تیز ہو جایا کرتی تھی۔ مسجدِ حرام اُس زمانے میں چھوٹی تھی اور مسعٰی اور مسجد کے درمیان کے حصے میں لوگوں کے گھر، عمارتیں، دکانیں اور مدارس بھی موجود تھے۔ سعودی عہد میں اربابِ حل و عقد نے یہ جگہیں مالکان

سے خرید کر منہدم کر دیں اور پھر بیت اللہ کی اِسی مشرقی سمت میں مسجدِ حرام کی بھی توسیع کر کے اُسے بڑا کر دیا اور مسعیٰ پر باقاعدہ عمارت تعمیر کر دی تاکہ سعی کرنے والوں کو دھوپ اور گرمی سے تحفظ حاصل ہو اور اُن کے لیے سہولت پیدا کی جائے، اور ساتھ ہی مسعیٰ کو مسجد حرام سے منفصل رکھنے کے لیے علامت کے طور پر دونوں کے مقامِ اتصال پر ایک چھوٹی دیوار بھی کھینچ دی ہے تاکہ یہ واضح رہے کہ مسعیٰ مسجد کا حصہ نہیں ہے۔

تاہم اِس کے باوجود اہل علم میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ مسعیٰ کا اِس طرح مسجدِ حرام کی عمارت کے ساتھ متصل ہو جانا کیا اِس کو مسجد کے حکم میں شامل کرتا ہے یا نہیں؟

یہ قضیہ 20 / شعبان 1415ھ کو رابطۂ عالم اسلامی کے زیر اہتمام 'مجمع الفقہ الاسلامی' کے ایک اجتماع میں علما کے مابین زیر بحث لایا گیا، جس کی صدارت مفتی السعودیہ شیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ نے کی تھی۔ اُس مجلس میں بعض اہل علم کا کہنا تھا کہ بہ ظاہر مسجدِ حرام کی عمارت سے متصل ہو جانے کی بنا پر یہ مسعیٰ اب مسجد ہی کے حکم میں شامل ہے، لہٰذا اب اِس پر مسجد ہی کے احکام لاگو ہوں گے، مثلاً اب جنبی اور حائضہ مسعیٰ میں بھی داخل نہیں ہو سکیں گے، جب کہ یہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں حائضہ عورتوں کو سعی سے منع نہیں فرمایا۔

دوسری طرف علما کے اِس اجلاس میں اکثر اہل علم نے یہ راے پیش کی کہ مشاعرِ حج وعمرہ میں صفا و مروہ کی پہاڑیاں اور اِن کے مابین کا مسعیٰ ایک الگ اور مستقل 'مشعر' ہے، لہٰذا اِس شعیرہ کا اپنا جو حکم زمانۂ قدیم سے تھا، وہی رہے گا اور یہ مسجدِ حرام کا جس طرح پہلے کبھی حصہ نہیں رہا، اب بھی نہیں ہو سکتا، چنانچہ اِس پر مسجد کے احکام لاگو نہیں ہوں گے۔ یعنی حائضہ آج بھی اِس میں داخل ہو سکتی اور 'سعی' کر سکتی ہے۔ اِسی طرح جنبی کے وہاں داخل ہونے

اور ٹھیرنے میں بھی کوئی شرعی مانع نہیں ہے۔ مسجدِ حرام سے اِس کی عمارت کا ظاہری اتصال خود مسجد کی توسیع کی وجہ سے ہوا ہے اور مسعیٰ پر عمارت کی تعمیر اور اِس کے پورے فرش کو سیدھا (Flat track) صرف سعی کرنے والوں کی سہولت کے لیے کیا گیا ہے۔ اکثر علما کی راے کے مطابق اِس اجلاس میں اِسی دوسرے موقف پر فیصلہ صادر کیا گیا کہ مسعیٰ کی عمارت نہ مسجدِ حرام کا حصہ شمار ہو گی اور نہ اِس پر مسجد کے احکام لاگو ہوں گے۔[143]

لٰہذا تمام عورتوں کے لیے ہر حال میں صفا و مروہ کے پاس جانا اور اِن کے مابین سعی کرنا زمانۂ قدیم کی طرح آج بھی جائز و مباح ہے۔

16۔ وقوفِ مزدلفہ کی رات میں منیٰ چلے جانے کا حکم

سوال: عرفات سے واپسی پر حجاج کو بہت تھکان لاحق ہوتی ہے اور مزدلفہ کے میدان میں شدید ازدحام بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اِس رات میں کوئی حاجی فجر ہونے سے پہلے کیا مزدلفہ چھوڑ کر منیٰ کے لیے روانہ ہو سکتا ہے؟

جواب: اِس باب میں سنت یہی ہے کہ حجاج اِس رات کو مزدلفہ میں وقوف کریں اور فجر کے بعد دعا و مناجات کر کے جب صبح روشن ہونے لگے تو منیٰ کے لیے کُوچ کریں۔ تاہم جن حجاج کا کوئی عذر ہو؛ عورتیں، بوڑھے اور بچے ہوں تو ایسی صورت میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی ہے کہ عذر رکھنے والے حجاج رات کے دوران میں بھی مزدلفہ

---

143 دیکھیے: قرارات المجمع الفقہی الاسلامی، الدورة الرابعة عشرة 327-328۔ سعود بن ابراہیم الشریم، المنہاج للمعتمر والحاج 72۔

سے کوچ کر کے منیٰ کے لیے روانہ ہو سکتے ہیں تا کہ یوم النحر کی صبح وہ ازدحام سے بچتے ہوئے اپنے مناسک ادا کر سکیں۔[144]

17۔ رمی کے اوقات میں رفع حرج اور آسانی

سوال: کیا حجاج کے لیے یوم النحر اور ایام التشریق میں رمی کرنے کے اوقات کی ابتدا اور انتہا شریعت میں متعین ہے؟ کیا یوم النحر کو طلوعِ آفتاب سے پہلے اور ایام تشریق میں زوال سے قبل رمی کرنا جائز نہیں ہے؟

جواب: اسلامی شریعت میں جمرات کی رمی کے لیے باقاعدہ ایسا کوئی قانون بیان نہیں ہوا ہے، جس میں حجاج کے لیے اِن ایام میں اوقاتِ رمی کے آغاز وانتہا کی تحدید کر دی گئی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بھی ایسی کوئی حدیث کہیں منقول نہیں ہے۔ اِس باب میں جو بات آپ کی نسبت سے مروی ہے، وہ صرف آپ کا اُسوہ ہے، جس میں یہ نقل ہوا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر یوم النحر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرۂ عقبہ کی رمی چاشت کے وقت اور ایام تشریق میں تینوں جمرات کی رمی زوال کے بعد کی تھی۔[145] آپ کے اُسوہ کی اِس روایت سے بہت سے فقہا نے اپنے فہم واجتہاد سے یہ حکم اخذ کر لیا ہے کہ حجاج کے لیے یوم النحر کو طلوع آفتاب سے پہلے اور ایام تشریق میں زوال سے قبل رمی کرنا جائز نہیں ہے۔ یعنی جن اوقات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمی کی تھی، اُن کو بہت سے

---

144 دیکھیے: محمد عبد اللہ ضیاء الاعظمی، الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل، کتاب الحج 5/267-268۔

145 دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1299۔

فقہا نے اپنے فہم سے وقتِ رمی کا آغاز قرار دے دیا ہے، اور اِسی طرح غروبِ آفتاب کو وقتِ رمی کی انتہا قرار دیا ہے اور اِس کے لیے یہ استدلال پیش کیا ہے کہ اِس وقت دن اپنے اختتام کو پہنچتا ہے، لہٰذا اِس دن کی رمی کا وقت بھی اِس کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اُسوہ، نہ اوقاتِ رمی کے آغاز کی کوئی صراحت کرتا ہے اور نہ قرآن وسنت یا کسی حدیث کی صریح نص سے یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رمی کے وقت سے پہلے اور غروبِ آفتاب کے بعد یہ عمل اپنے وقت پر شمار نہیں کیا جائے گا، لہٰذا اِس خلاف ورزی پر قربانی واجب ہو گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، وہ بس یہ ہے کہ آپ نے اپنی رمی اِن اوقات میں کی تھی، جس طرح حجۃ الوداع ہی کی روایتوں سے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ نے یوم النحر کو چاشت کے وقت رمی کرنے کے بعد قربانی کی، سر کا حلق کرایا، احرام کھول لیا اور پھر آپ نے مکہ پہنچ کر طوافِ افاضہ کیا۔[146] کیا اِس سے کوئی شخص یہ استدلال کر سکتا ہے کہ تمام حجاج کے لیے قربانی، حلق اور طوافِ افاضہ کے مناسک کا وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقات کے مطابق شروع ہوتا اور یوم النحر ہی کو غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔ بالبداہت واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی اِس روایت سے ایسا استدلال کرنا علمی لحاظ سے کسی طرح بھی درست نہ ہو گا۔ اور دل چسپ بات یہ ہے کہ رمی کے بعد کے اِن مناسک کے لیے ابتدا وانتہاے وقت کی تعیین وتحدید ہمارے فقہا نہیں کرتے، بلکہ اِن مناسک کی ادائیگی اور اِن کے اوقات میں وسعت مانتے ہیں، دراں حالیکہ سب کی نوعیت ایک ہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمی جمرۂ عقبہ کے بعد اُسی دن میں یہ سب مناسک ادا کیے ہیں۔ لہٰذا فقہا کے روایتی

---

[146] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1218، 1305۔

موقف پر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اِن سب مناسک میں اپنے فہم واجتہاد سے اوقات کی تحدید نہیں کی گئی ہے تو رمی میں یہ کس اساس پر کی گئی ہے؟

حجاج کے لیے اوقاتِ رمی کی ابتدا وانتہا کا اگر کوئی واجب الاتباع قانون ہوتا تو اِسے لازماً مآخذِ شریعت میں شارع سے براہِ راست ثابت ہونا چاہیے تھا۔ یوم النحر کو طلوع آفتاب سے پہلے رمی کرنا، ایام تشریق میں زوال سے پہلے رمی کرنا اور غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا اگر شرعاً جائز نہیں ہے اور اِس خلاف ورزی پر قربانی لازم ہو گی تو اِس حکم کا کوئی ماخذ ہو سکتا ہے تو وہ صرف شارع ہی کی ہستی ہے، جن کے استناد وصراحت کے بغیر اپنے فہم واجتہاد کی بنا پر تمام حجاج کے لیے اِس طرح صرف اوقاتِ رمی کی تحدید کرنا اور مسلمانوں کو اِس کا پابند کرنا علمی لحاظ سے درست نہیں ہے، اِس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حجاج پر اِس طرح کی کوئی پابندی عائد نہیں فرمائی، بلکہ اِس کے برعکس، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی یوم النحر کو منیٰ میں مسلمانوں سے خطاب فرمایا اور لوگوں کے سوالوں کے جواب دیے ہیں۔ اِس موقع پر لوگوں نے اپنے مناسک کی غلطی یا اُن کی ترتیب کے آگے پیچھے ہو جانے کے بارے میں جو سوال بھی کیا، آپ نے جواب میں ایک ہی بات ارشاد فرمائی اور وہ یہ تھی کہ ”حرج کی کوئی بات نہیں ہے، اب کر لو“۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ، میں نے اپنی رمی شام ہو جانے کے بعد کی ہے۔ آپ نے فرمایا: اِس میں حرج کی کوئی بات نہیں ہے۔[147] ایک شخص نے بتایا: میں نے قربانی سے پہلے اپنا سر منڈا لیا ہے، آپ نے فرمایا: کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اب قربانی کر لو۔[148] یعنی مناسک کی ادائیگی، اُن کی ترتیب اور

---

[147] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1723۔

[148] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 83۔

اوقات کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اُسوہ کے مطابق ہونے پر کوئی اصرار اور سختی نہیں فرمائی، بلکہ دین وشریعت میں آسانی اور رفعِ حرج کے عمومی ضابطے کے مطابق سب لوگوں کے لیے آپ نے سہولت اور رخصت والا جواب ارشاد فرمایا۔ اگر شریعت میں اِن مناسک کی ترتیب کی سختی یا اوقات کی تحدید سے متعلق مسلمانوں کے لیے کوئی خاص قانون ہوتا تو یہ موقع تھا، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجاج کے لیے ضرور اِس کی وضاحت فرمادیتے۔

غرض یہ کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی پیروی میں بہ آسانی اُنھی اوقات میں رمی کرتا ہے جن میں آپ نے کی تھی تو بلاشبہ، یہ افضل ہے، تاہم زوال سے پہلے اور غروبِ آفتاب کے بعد بھی رمی کرنا بہرحال جائز ہوگا، جیسا کہ بہت سے قدیم ومعاصر علما وفقہانے بھی یہ موقف اختیار کیا ہے۔[149] اِس کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل شریعت میں موجود نہیں ہے۔ علاوہ ازیں، مزدلفہ کی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بعض لوگوں اور عورتوں کو اجازت دی کہ وہ منیٰ کے لیے کوچ کر جائیں، چنانچہ روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ اُن میں سے بعض نے فجر سے پہلے اور بعض نے فجر کے بعد جمرۂ عقبہ کی رمی کر لی تھی۔[150] اِسی طرح بعض روایتوں میں یہ بھی نقل ہوا ہے کہ بعض چرواہوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، نہ صرف یہ کہ منیٰ میں رات گزارنے سے رخصت دی، بلکہ اُن کو ہدایت

---

[149] دیکھیے: سلمان بن فہد بن عبد اللہ العودة، فعل ولا حرج 90-94۔ اور دیکھیے درجِ ذیل لنک پر پروفیسر ڈاکٹر فیحان بن شالی المطیری کا مقالہ بہ عنوان ’التسهيل لما ورد فی وقت الرمی من التيسير‘: www.saaid.org/mktarat/hajj/152.htm۔

[150] دیکھیے: محمد عبد اللہ ضیاء الاعظمی، الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل، کتاب الحج 5/267-271۔

فرمائی کہ وہ یوم النحر کو رات کے وقت رمی کر کے چلے جائیں اور ایک دن چھوڑ کر 12 / ذوالحجہ کو واپس آکر باقی دونوں دِنوں کی رمی اکٹھی کرلیں۔[151] ذرا غور کیجیے کہ اگر رمی جمرات اور اِس کے اوقات میں دین میں ایسی کوئی سختی ہوتی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اِس طرح لوگوں کے لیے اِس باب میں رخصت اور سہولت کو بیان فرماتے۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ مناسکِ حج کی ادائیگی اور اِن کے اوقات میں اِس طرح آسانی بیان فرمائی، بلکہ اِس سہولت کے نتیجے میں کوئی فدیہ یا قربانی بھی حجاج پر لازم نہیں کی۔[152]

18۔ منیٰ میں رات گزارنے کا حکم اور اِس میں رخصت

سوال: ایامِ تشریق میں حاجی کے لیے منیٰ میں رات گزارنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایامِ تشریق میں منیٰ میں قیام کرنا اور رات بھی منیٰ ہی کے میدان میں گزارنا مناسکِ حج میں سنت کے طور پر جاری کیا گیا عمل ہے، لہٰذا ہر حاجی کو اِس کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔ بلا ضرورت منیٰ سے نہیں نکلنا چاہیے۔ تاہم کسی حاجی کا کوئی عذر ہو تو وہ نہ صرف یہ کہ منیٰ سے نکل کر دوبارہ واپس آسکتا ہے، بلکہ کسی واقعی عذر کی بنا پر وہ مکہ مکرمہ میں رات بھی گزار سکتا ہے۔ رخصت کا یہ حکم خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ عبداللہ بن

---

[151] دیکھیے: مسند احمد، رقم 23776، 23777۔ صحیح ابن خزیمۃ، رقم 2975۔

[152] اِس مسئلے سے متعلق مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: الشیخ عبد اللہ بن زید آل محمود، یسر الاسلام فی احکام حج بیت اللہ الحرام 14-26۔ اور دیکھیے درجِ ذیل لنک پر پروفیسر ڈاکٹر فیحان بن شالی المطیری کا مقالہ بہ عنوان 'التسهيل لما ورد في وقت الرمي من التيسير':

www.saaid.org/mktarat/hajj/152.htm۔

عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے حجاج کو پانی پلانے کی اپنی ذمہ داری کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ مکرمہ میں رات گزارنے کے لیے اجازت طلب کی تو آپ نے اُنھیں اِس کی اجازت دی تھی۔[153]

19۔ رمیِ جمرات میں نیابت کا حکم

سوال: کیا جمرات پر کنکر مارنے کا عمل آدمی کسی دوسرے حاجی کے سپرد کر سکتا ہے؟

جواب: بغیر کسی عذر کے ایسا کرنا کسی حاجی کے لیے جائز نہیں ہے۔ ہاں، البتہ کوئی حاجی اگر بیمار ہو یا کم زور ہو یا بچہ ہو یا کوئی اور معقول عذر ہو کہ جس کی بنا پر وہ خود اپنی رمی کرنے سے قاصر ہو تو ایسی صورت میں جمہور علما و فقہا نے بجا طور پر کہا ہے کہ اُسے چاہیے کہ کسی دوسرے حاجی کو اپنا نائب بنا کر اپنی رمی اُسے سونپ دے تاکہ وہ وقت پر کر دی جائے۔ کسی کی نیابت میں اِس طرح رمی کرنے والے حاجی کو، البتہ اِس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ پہلے وہ اپنی رمی کرے اور اِس کے بعد اُس ضرورت مند حاجی کی طرف سے رمی کے کنکر مارے۔[154]

20۔ کیا شریعت میں حج کی تین قسمیں ہیں؟

سوال: کیا اسلامی شریعت میں حج کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں؟ یہ قسمیں کون سی ہیں اور

---

153 دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1745۔ صحیح مسلم، رقم 1315۔

154 دیکھیے: مجموعۃ من الباحثین باشراف الشیخ علوی بن عبد القادر السقاف، الموسوعۃ الفقھیۃ، الدرر السنیۃ 2/274۔

اِن میں باہم کیا فرق ہے؟

جواب: اسلامی شریعت نے حج کی کوئی قسمیں مقرر نہیں کی ہیں۔ بیت اللہ کا حج ایک ہی ہے، جو ہر سال ایک مرتبہ ادا کیا جاتا ہے۔ اِس کے مقامات، اِس کی تاریخیں اور اِس کے مناسک شریعت میں بالکل متعین ہیں۔ یہ 8/ذوالحجہ کو شروع ہوتا اور اِس کے مناسک کی آخری تاریخ 13/ذوالحجہ ہے۔ خدا کا جو بندہ جانی، مالی و سفری استطاعت رکھتا ہو تو اُس پر عمر بھر میں ایک مرتبہ بیت اللہ کا حج کرنا فرض کیا گیا ہے۔

حج کے مناسک اجمالاً حسبِ ذیل ہیں:

1. میقات سے حج کی نیت کے ساتھ اِس کا احرام
2. تلبیہ
3. قیام منیٰ
4. وقوفِ عرفہ
5. وقوفِ مزدلفہ
6. جمرۂ عقبہ کی رمی
7. حلق یا قصر
8. بیت اللہ کا طواف مع استلامِ حجرِ اسود
9. صفا و مروہ کے مابین سعی
10. تشریق کے دو یا تین دن قیامِ منیٰ
11. تینوں جمرات کی رمی

حاجی کے لیے گھر سے قربانی کا جانور ساتھ لے کر بیت الحرام جانا مناسکِ حج کا ایک نفلی عمل ہے، لازم نہیں ہے، لیکن کوئی حاجی یہ جانور ساتھ لے کر گیا ہو تو یوم النحر کو حلق یا قصر

کرانے سے پہلے اِس کی قربانی کرنی ہوگی۔

اسلامی شریعت میں حج اور اِس کے مناسک و مقامات بالترتیب یہی ہیں، اور اِس میں کوئی قربانی لازم نہیں کی گئی ہے۔ اپنے شوق سے کوئی کرنا چاہے تو ضرور کرے۔ فقہی اصطلاح میں اِس کو 'حج اِفراد' کا نام دیا جاتا ہے، جس کا مطلب 'صرف حج ادا کرنا' ہے۔ تاہم یہ واضح رہے کہ اِس طرح ایک نام اور عنوان دینے سے یہ حج کی اپنی کوئی قسم نہیں بن جاتی، بلکہ یہ تو اصل حج ہی ہے، جو دین ابراہیمی کی روایت سے چلا آرہا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے بیت اللہ سے متعلق دوسری عبادت، یعنی عمرہ کی شریعت کو بھی سمجھ لیجیے۔ یہ ایک نفل عبادت ہے۔ اِس کے لیے شریعت نے کوئی خاص دن یا وقت مقرر نہیں کیا ہے، بلکہ خدا کے بندے پورے سال کے دوران میں جب چاہیں اور جس وقت چاہیں، عمرہ کرسکتے ہیں۔ شریعت میں اِس کے مناسک بالترتیب یہ ہیں:

1. میقات سے عمرہ کی نیت کے ساتھ اِس کا احرام
2. تلبیہ
3. بیت اللہ کا طواف مع استلام حجرِ اسود
4. صفا و مروہ کے مابین سعی
5. حلق یا قصر

عمرہ میں بھی گھر سے قربانی کا جانور ساتھ لے کر جانا اِس کے مناسک میں ایک نفلی جز ہے، لازم نہیں ہے، لیکن کوئی عمرہ کرنے والا یہ جانور ساتھ لے کر بیت الحرام آیا ہو تو سعی کے بعد اور حلق یا قصر کرانے سے پہلے اِس کو قربان کرنا ہوگا۔

بیت اللہ کے آفاقی عازمین یہ دونوں عبادات اگر الگ الگ سفر کر کے ادا کریں تو اِن کے

مناسک میں اُن پر کوئی قربانی شریعت نے لازم نہیں کی ہے۔ تاہم تطوعاً کوئی قربانی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

اب کوئی آفاقی اپنے حج کے سفر میں مکہ مکرمہ پہنچ کر حج سے پہلے عمرہ بھی کرنا چاہتا ہے تو صرف باہر سے آنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے حج کے سفر میں عمرہ کا فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے، لیکن اِس طرح فائدہ اُٹھانے پر ایک جانور کی قربانی کی صورت میں فدیہ بھی لازم کیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ استطاعت نہ ہو تو قربانی کے بجائے فدیے کے دس روزے رکھنے ہوں گے۔[155]

حج اور عمرہ، دونوں کو ایک سفر میں اکٹھا کرنے کی یہ جو صورت بیان ہوئی ہے، اِس میں بھی حج اور اِس کے مقامات و مناسک اور اِن کی ترتیب بالکل وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے اور عمرہ بھی اُسی طرح کیا جاتا ہے، جس طرح اِس کی شریعت اوپر ذکر کی گئی ہے۔ دونوں عبادتوں کے لیے احرام بھی الگ الگ اور اپنے اپنے موقع پر باندھا جاتا ہے۔ اور اِن دونوں عبادتوں کے درمیان میں عازم حج کو حالتِ احرام سے ایک وقفہ بھی مل جاتا ہے۔ چنانچہ جاننا چاہیے کہ اِس صورت میں اِن دونوں عبادتوں کی ادائیگی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ قطعاً نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حج کی اپنی کوئی نئ قسم وجود میں آگئی ہے۔ فرق صرف یہ واقع ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی رخصت سے ایک آفاقی حاجی فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہ دونوں عبادتیں ایک ہی سفر میں جمع کر لیتا ہے۔ تَمَتُّع کا لغوی معنی 'فائدہ اُٹھانا' ہے۔ فقہا کی اصطلاح میں اِس طرح اِن دو عبادتوں کو ایک سفر میں جمع کرنے کو 'حجِ تمتع' کا عنوان دیا جاتا ہے، لیکن واضح رہے کہ اِس عنوان سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حج کی اپنی الگ ایک قسم ہو گئی ہے۔ حج

[155] دیکھیے: البقرۃ 2:196۔

اور عمرہ کو ایک سفر میں جمع کر لیا جائے، تب بھی حج اور عمرہ، دونوں شریعت میں مقرر کردہ اپنی اصل صورت، ترتیب، مقامات اور اوقات ہی پر ادا کیے جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں، سفرِ حج کی ایک آخری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آدمی حج کے سفر میں عمرہ کا فائدہ بھی اُٹھانا چاہتا ہے اور اِس پر مزید یہ کہ قربانی کے لیے ہدی کا جانور بھی اُس نے اپنے وطن یا میقات سے ساتھ لے رکھا ہے۔ اِس صورت میں بھی عمرہ اور حج کے مناسک، ترتیب، مقامات اور اوقات بالکل وہی ہوتے ہیں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ اور قربانی کی صورت میں فدیہ بھی وہی عائد ہوتا ہے جو پچھلی صورت میں بیان ہوا ہے۔ تاہم ہدی کا جانور ساتھ لے جانے کی وجہ سے ایک اضافی پابندی اِس صورت میں حاجی پر یہ عائد ہو جاتی ہے کہ عمرہ کرنے کے بعد یہ حاجی احرام کی پابندیوں سے نہیں نکل سکتا، بلکہ مناسکِ حج میں یوم النحر کو جب تک اِس کا ہدی کا جانور قربان نہیں ہو جاتا، اُس وقت تک یہ اپنے اُسی احرام کی پابندیوں میں رہتا ہے جو بیت الحرام کی طرف جاتے ہوئے اُس نے اپنی میقات سے باندھا تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ اِس صورت میں حاجی نہ صرف یہ کہ ایک سفر میں حج اور عمرہ کو جمع کرتا ہے، بلکہ قربانی کا جانور ساتھ لے جانے کی وجہ سے ایک ہی احرام میں دونوں عبادتوں کو ادا کرتا ہے۔ اِن دونوں کے درمیان اِس کو احرام کی پابندیوں سے رخصت کا کوئی وقفہ حاصل نہیں ہوتا۔ 'قران' کے لغوی معنی 'مِلانے اور جمع کرنے' کے ہیں۔ فقہا کی اصطلاح میں دونوں عبادتوں کو ایک احرام میں اکٹھا کرنے کی وجہ سے اِس آخری صورت کو 'حجِ قران' کا نام دیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ اِس صورت میں بھی حج اور اِس کی تاریخیں، مناسک، مقامات اور اوقات بالکل وہی ہوتے ہیں جو اوپر آغاز میں بیان ہوئے ہیں اور عمرہ بھی اُسی طرح کیا جاتا ہے، جس طرح اِس کی شریعت میں بتایا گیا ہے۔ اِن دونوں کی ادائیگی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

لہٰذا اِس صورت میں بھی یہ بات بالکل نہیں کہی جاسکتی کہ یہ حج کی اپنی کوئی نئی قسم وجود میں آگئی ہے۔

عازمِ حج کی نیت کیا ہے اور کیا وہ صرف حج کا ارادہ رکھتا ہے یا اپنے اِس سفر میں عمرہ بھی کرنا چاہتا ہے، کیا ہدی کا جانور اُس نے اپنے ساتھ لے رکھا ہے؟ عازمین کے اِن مختلف ارادوں کے امکان کی وجہ سے شریعت کی بعض پابندیاں اُن پر عائد ہوتی یا اُٹھا دی جاتی ہیں، چنانچہ اِنھی مختلف صورتوں کی تفہیم کے لیے دراصل فقہی اصطلاحات وجود میں آئی ہیں۔ اور بہ ظاہر اِن تعبیرات سے بسا اوقات لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ گویا شریعت نے عبادتِ حج کی تین قسمیں الگ الگ بیان کی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حج ایک الگ عبادت ہے اور عمرہ الگ۔ اسلامی شریعت میں حج کی اپنی کوئی قسمیں مقرر نہیں کی گئی ہیں۔ بیت اللہ کا جو عازم، حج کرنا چاہے تو حج کرے۔ عمرہ کرنا چاہے تو عمرہ کرے۔ دونوں میں کوئی قربانی واجب نہیں ہے۔ تاہم آفاقی حاجی اپنے حج کے سفر میں عمرہ بھی کرنا چاہے گا تو کر سکتا ہے، لیکن اِس صورت میں اُس پر فدیے کی قربانی واجب ہو گی اور اگر اُس نے قربانی کا جانور بھی اپنی میقات سے ساتھ لے رکھا ہے تو اِس صورت میں اب وہ عمرہ کی ادائیگی کے بعد احرام کی پابندیوں سے آزاد نہیں ہو سکتا، بلکہ اِسی احرام میں رہے گا اور یوم النحر کو اپنا ہدی کا جانور ذبح کرنے کے بعد ہی احرام کی پابندیوں سے نکل سکے گا۔

21۔ منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں نمازیں قصر پڑھی جائیں یا مکمل؟

سوال: مشاعرِ مقدسہ میں حجاج کے لیے نمازیں قصر پڑھنا سنت ہے یا یہ پوری پڑھی جائیں گی؟

جواب: اِس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ثابت شدہ اُسوہ یہ ہے کہ 8/ ذوالحجہ کو اور ایام تشریق، یعنی 11، 12 اور 13/ ذوالحجہ کے دوران میں منیٰ میں جو قیام ہوتا ہے، اِن میں ظہر، عصر اور عشا کی نمازیں قصر کر کے دو دو رکعتیں اپنے اپنے وقت پر ادا کی جائیں۔ قیام منیٰ کے ایام میں نمازوں کے آگے پیچھے کے سنن رواتب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کیے ہیں۔[156] حجۃ الوداع کے موقع پر اہل مکہ نے بھی منیٰ میں یہ نمازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں قصر ہی پڑھی ہیں۔[157] سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں یہاں نمازیں قصر ہی پڑھی ہیں۔[158] منیٰ کی 'مسجدِ خیف' میں آج بھی امام یہ نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس سنت کے مطابق قصر کر کے ہی پڑھاتے ہیں۔

باقی جسے اللہ توفیق دے، وہ نمازِ تہجد، مطلق نفل نماز، ذکر و تسبیح، تکبیر و تہلیل، دعا و مناجات اور تلاوت و مطالعۂ قرآن؛ اپنے ذوق کے مطابق جس عمل کا چاہے، اہتمام کر سکتا ہے۔

---

156 بعض روایتوں سے، البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں نمازیں ہمیشہ قصر پڑھا کرتے اور اِن کے آگے پیچھے کے نوافل ترک کیا کرتے تھے، تاہم رات کی نماز اور فجر سے پہلے کی دو رکعتوں کا آپ سفر میں بھی اہتمام کیا کرتے تھے۔ دیکھیے: ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد 1/ 456۔ اِن روایتوں کی بنیاد پر بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ حجۃ الوداع کے دوران میں مشاعر مقدسہ میں بھی آپ نے رات کی نماز اور فجر کے نوافل کا اہتمام کیا ہو گا، ورنہ حج کے دوران میں اِن کے پڑھنے کی روایتوں میں کہیں صراحت مذکور نہیں ہے، بلکہ مزدلفہ کی رات کے حوالے سے صراحت موجود ہے کہ اِس رات آپ نے فجر تک آرام فرمایا اور کوئی عبادت نہیں کی۔

157 دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 696۔

158 دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1082، 1083، 1984۔ صحیح مسلم، رقم 694، 696۔

جہاں تک عرفات اور مزدلفہ کے وقوف کا تعلق ہے تو اِن دو مقامات کے بارے میں سنت کا قانون یہ ہے کہ عرفات میں ظہر و عصر کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ جمع اور قصر کر کے ظہر کے وقت ہی میں پڑھی جائیں گی،[159] خواہ اپنے اپنے خیموں ہی میں پڑھی جائیں۔ اِس کو اصطلاح میں 'جمعِ تقدیم' کہا جاتا ہے۔ عرفات کی مسجدِ نمرہ میں آج بھی امام یہ نمازیں سنت کے مطابق جمع اور قصر کر کے ہی پڑھاتے ہیں۔

مزدلفہ میں بھی سنت یہ ہے کہ مغرب اور عشا کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ جمع اور قصر کر کے عشا کے وقت میں پڑھی جائیں گی۔ اصطلاح میں اِس کو 'جمعِ تاخیر' کہا جاتا ہے۔ مزدلفہ کی 'مسجد المشعر الحرام' میں آج بھی امام یہ نمازیں سنت کے مطابق جمع اور قصر کر کے ہی پڑھاتے ہیں۔

عرفات اور مزدلفہ میں بھی فرض نمازوں کے آگے پیچھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے کوئی نوافل نہیں پڑھے۔[160] یہاں تک کہ مزدلفہ کی رات کو آپ نے تہجد کی نماز بھی نہیں پڑھی، بلکہ فجر تک آرام فرمایا۔[161]

22۔ حج و عمرہ میں دم یا فدیہ کے احکام

سوال: حج و عمرہ میں قربانی، فدیہ یا دَم کب اور کن خلاف ورزیوں پر واجب ہوتا ہے اور

---

[159] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1662۔

[160] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1673۔ صحیح مسلم، رقم 1218۔

[161] دیکھیے: ناصر الدین البانی، حجۃ النبی 73-76۔

کن صورتوں میں لازم نہیں ہوتا اور فدیے یا کفارے کی ادائیگی کی کیا کیا صورتیں شریعت نے بتائی ہیں؟

جواب: اِس مسئلے کے متعدد پہلو ہیں، جن میں سے ہر ایک کی ذیل میں ہم الگ الگ وضاحت کریں گے:

1۔ بھول کر غلطی کرنے یا نادانستہ طور پر خلاف ورزی کا حکم

سب سے پہلے اُن صورتوں کو سمجھ لیجیے جن میں کوئی فدیہ یا دَم واجب نہیں ہوتا اور نہ آدمی گناہ گار ہوتا ہے۔ اگر نادانستہ طور پر یا بھول کر کسی حاجی یا معتمر سے مناسکِ حج یا عمرہ کی ترتیب میں کوئی تقدیم و تاخیر ہو جائے یا بھول کر احرام کی کسی پابندی کی خلاف ورزی ہو جائے اور متنبہ ہونے پر وہ اُس غلطی سے باز آجائے یا تلافی ممکن ہو تو تلافی بھی کرلے؛ اِن سب صورتوں میں اُس حاجی یا معتمر پر نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کوئی فدیہ اُس پر عائد ہوتا ہے۔ اِس طرح کے معاملات میں قانون یہ ہے کہ اگر بلا ارادہ، نادانستہ طور پر یا بھول کر ایسا کوئی فعل سرزد ہو جائے تو اِس پر اللہ تعالیٰ کوئی مواخذہ نہیں کریں گے، جیسے مثال کے طور پر کوئی روزہ دار بھول کر پانی پی لیتا ہے تو اِس پر نہ کوئی مواخذہ ہوتا ہے اور نہ کوئی فدیہ عائد ہوتا ہے۔ حج و عمرہ میں بھی بالکل یہی حکم ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ فِيۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ ۙ وَلٰكِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا.
(الاحزاب 5:33)

”اور جس معاملے میں تم سے غلطی ہو گئی، اُس پر تم سے کوئی مواخذہ نہیں، لیکن تمھارے دلوں نے جس بات کا ارادہ کر لیا، اُس پر ضرور گرفت

ہے۔ اور اللہ بخشنے والا ہے۔ اُس کی
شفقت ابدی ہے۔"

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کے میدان میں لوگوں کے سوالات کے جواب دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک شخص نے عرض کیا: مجھے علم نہیں تھا، اِس لیے میں نے قربانی سے پہلے سر منڈوالیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اب قربانی کر لو، اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایک اور شخص نے عرض کیا: مجھے علم نہیں تھا، میں نے رمی سے پہلے قربانی کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا: اب رمی کر لو، اِس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ غرض یہ کہ مناسکِ حج کے کسی عمل کے آگے یا پیچھے ہو جانے کے بارے میں جو سوال بھی کیا گیا، آپ نے جواب میں یہی فرمایا کہ اِسے اب انجام دے لو، حرج کی کوئی بات نہیں ہے۔[162]

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن ارشادات سے بھی واضح ہے کہ نادانستہ طور پر اِس طرح کی غلطیوں پر کوئی گناہ ہے، نہ کوئی فدیہ۔

2۔ مجبوری کی بنا پر یا جانتے بوجھتے احرام کی خلاف ورزی کا حکم

حج و عمرہ کی شریعت میں فدیے کا ایک حکم اُس وقت لاگو ہوتا ہے جب آدمی کو کوئی ایسی تکلیف لاحق ہو جائے جس سے نکلنے کے لیے اُسے احرام کی کسی پابندی کی مجبوراً خلاف ورزی کرنی پڑ جائے۔ مثال کے طور پر حج یا عمرہ میں آدمی کے سر میں کوئی ایسی تکلیف ہو جس کے باعث وہ سر منڈوانے پر مجبور ہو جائے۔ چنانچہ ایسی صورت میں وہ اپنا سر منڈوا سکتا ہے اور اپنی مجبوری کی وجہ سے وہ گناہ گار بھی نہیں ہو گا، لیکن اُس کو سورۂ بقرہ کی درجِ ذیل آیت میں

---

[162] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1734، 1735۔ صحیح مسلم، رقم 1306، 1307۔

مذکور تین میں سے کسی ایک صورت میں اِس کا فدیہ ادا کرنا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ. (البقرۃ2:196)

”پھر جو تم میں سے بیمار ہو یا اُس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ قربانی سے پہلے ہی سر منڈانے پر مجبور ہو جائے) تو اُسے چاہیے کہ روزوں یا صدقے یا قربانی کی صورت میں اُس کا فدیہ دے۔“

سورۂ بقرہ کی اِس آیت میں عموم کے اسلوب میں ’فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن کا یہ اسلوب دلیل ہے کہ فدیے کی تعداد اور مقدار کا معاملہ لوگوں کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: تین روزے رکھ لیے جائیں یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا جائے یا ایک بکری ذبح کر دی جائے تو کافی ہو جائے گا۔[163]

قرآن کے اِس قانون کے مطابق جب مجبوری کی اِس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے احرام کی پابندی کی خلاف ورزی پر فدیہ عائد فرمایا ہے تو بالبداہت واضح ہے کہ بغیر عذر کے کوئی شخص جانتے بوجھتے محظوراتِ احرام کی خلاف ورزی کرے گا تو بدرجۂ اولیٰ اُس کو اِن تینوں میں سے کسی ایک صورت میں، نہ صرف یہ کہ فدیہ ادا کرنا ہو گا، بلکہ اِس صورت میں غیر معذور ہونے کی وجہ سے وہ گناہ گار بھی ہو گا۔ جیسے مثال کے طور پر جانتے بوجھتے زینت و آرایش کے

---

[163] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1814۔

لیے مُحرم نے عطر استعمال کیا یا مونچھوں کے بال تراشے یا سلے ہوئے کپڑے پہن لیے یا سر پر عمامہ باندھ لیا یا عورت نے نقاب پہن لیا وغیرہ۔

3۔ ترکِ واجب پر فدیے کا حکم اور اِس کا ماخذ

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک فتوے[164] کی بنیاد پر علما و فقہا نے بالعموم فدیے کے واجب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی ہے کہ آدمی حج یا عمرہ کے مناسک میں سے کوئی ضروری عمل چھوڑ دے تو اِس صورت میں بھی اُس پر دَم واجب ہو گا، یعنی حرم میں فدیے کی قربانی کر کے اُس کا گوشت وہیں کے فقرا میں تقسیم کرنا ہو گا۔

یہاں پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ حج یا عمرہ کا کوئی واجب چھوڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ مثال کے طور پر عازمِ حج یا عمرہ اپنی میقات سے احرام باندھے بغیر وہاں سے آگے بڑھ جائے یا وقوفِ عرفہ کے موقع پر غروبِ آفتاب سے پہلے ہی عرفات سے نکل جائے یا وقوفِ مزدلفہ ترک کر دے یا جمرات کی رمی نہ کرے، وغیرہ۔

اِس کے بارے میں، ظاہر ہے کہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِس حکم کا، جو سیدنا ابن عباس کی رائے پر مبنی بتایا جاتا ہے، شریعت میں ماخذ کیا ہے؟ لٰہذا سمجھنا چاہیے کہ اصلاً اِس کا ماخذ بھی سورۂ بقرہ کی آیت 196 ہی ہے، جس میں احرام کی خلاف ورزی کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے فدیہ عائد کیا ہے، اِس لیے کہ حج یا عمرہ کرنے والے کے لیے جس طرح احرام کی پابندیوں کا خیال رکھنا واجب ہے اور اُس کی خلاف ورزی کرنے پر فدیہ عائد ہوتا ہے، اُسی طرح حج و عمرہ میں جن مناسک کو ادا کرنا بھی اُس پر واجب ہے، اُن کو ترک کرنے پر بھی فدیہ ہی عائد ہو

164 دیکھیے: سنن دار قطنی، رقم 2534۔

گا۔ چنانچہ اِس طرح قرآن میں ترکِ واجب کے اِس فدیے کی اساس بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اِن دونوں میں فرق کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور ترکِ واجب میں بھی فدیے کی ادائیگی کی تین صورتیں وہی رہیں گی جو قرآن نے احرام کی خلاف ورزی پر بیان کی ہیں، یعنی یہ فدیہ بھی روزوں یا صدقے یا قربانی میں سے کسی ایک صورت میں ادا کیا جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق تین روزے رکھ لیے جائیں یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا جائے یا ایک بکری ذبح کر دی جائے تو کافی ہو جائے گا۔ جو اہل علم اِس کو تمتع کے فدیے پر قیاس کر کے قربانی یا دس روزوں کا فدیہ بتاتے ہیں، شریعت میں اِس کی کوئی اساس راقم السطور کو نہیں مل سکی۔

4۔ حج کی قربانی کی صورت میں فدیے کے احکام

جہاں تک حج میں قربانی کے واجب ہونے کا تعلق ہے تو سمجھنا چاہیے کہ ایک تو قربانی اُس صورت میں لازم ہوتی ہے، جب حج کے ایک سفر میں آدمی بیت الحرام پہنچ کر پہلے عمرہ بھی کر لے تو فدیے کی ایک قربانی اُس پر واجب ہو جاتی ہے، جو مناسکِ حج میں یوم النحر کو رمی کے بعد کی جائے گی۔ حج و عمرہ کو ایک سفر کے علاوہ ایک احرام میں جمع کرنے والے حجاج پر بھی فدیے کی قربانی کا یہی حکم ہے۔

حج میں فدیے کی اِس قربانی کے لیے مالی استطاعت نہ ہو تو اِس کے بجاے دس روزے رکھنے ہوں گے، جن میں سے تین حج کے دنوں میں اور سات وطن واپس پہنچ کر۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ ۛ فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَى الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡيِ ۚ فَمَنۡ	”پھر جب تمھارے لیے امن کی حالت پیدا ہو جائے تو جو کوئی اِس سفر

لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ.

(البقرۃ196:2)

سے یہ فائدہ اٹھائے کہ حج کا زمانہ آنے تک عمرہ بھی کرلے تو اُسے قربانی کرنا ہو گی، جیسی بھی میسر ہو جائے۔ اور اگر قربانی میسر نہ ہو تو روزے رکھنا ہوں گے: تین دن حج کے زمانے میں اور سات، جب (حج سے) واپس آؤ۔ یہ پورے دس دن ہوئے۔ (اِس طریقے سے ایک ہی سفر میں حج کے ساتھ عمرے کی) یہ (رعایت) صرف اُن لوگوں کے لیے ہے جن کے گھربار مسجد حرام کے پاس نہ ہوں۔ (اِس کی پابندی کرو) اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور خوب جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

اِس سے واضح ہے کہ آدمی کے لیے ممکن ہو تو بہتر یہی ہے کہ وہ عمرہ کے لیے الگ اور حج کے لیے الگ سفر کرے۔ ایک ہی سفر میں پہلے عمرہ اور اِس کے بعد احرام کھول کر حج کی تاریخوں میں اِس کے لیے نیا احرام باندھ کر حج کرنا آفاقی عازمین حج کے لیے محض ایک رخصت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ سفر کی زحمت کے پیش نظر اِنھیں دی ہے۔ اِس پر فدیہ اِسی لیے لازم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس رخصت سے فائدہ بھی ہر مسلمان کو اِسے رخصت سمجھ کر ہی اٹھانا چاہیے۔ تاہم حج کے لیے الگ اور عمرہ کے لیے الگ سفر کیا جائے تو عازمِ بیت اللہ پر کوئی قربانی واجب نہیں ہے۔

5۔ راستے میں گھر جانے کی صورت میں قربانی کا حکم

حج یا عمرہ میں فدیے کی قربانی کے واجب ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آدمی حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کر عازمِ بیت اللہ ہو، لیکن راستے میں کوئی ایسی صورتِ حال پیش آگئی کہ وہ بیت اللہ پہنچ کر اپنا حج یا عمرہ مکمل نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر آگے سفر جاری رکھنے کے لیے حالات سازگار نہیں رہے، راستے میں کوئی رکاوٹ آگئی ہے، اُس کی سواری کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہے یا آدمی خود زخمی ہو گیا ہے یا کوئی ایسی بیماری اُس کو لاحق ہو گئی ہے کہ اب بیت الحرام پہنچنا اُس کے لیے ممکن نہیں ہے؛ اِس طرح کی کسی صورت میں گھر جانے کے بعد اپنے احرام سے نکلنے کے لیے بھی اُس کو ایک جانور قربان کرنا ہو گا، جس کے بعد وہ اپنے سر کا حلق یا قصر کرا کے حلال ہو سکتا اور وہیں سے اپنے گھر واپس لوٹ سکتا ہے۔ یعنی مجبوری کی اِس حالت میں یہ قربانی اُس کے حج یا عمرہ کے تمام مناسک کی قائم مقام ہو جائے گی، جیسا کہ ہجرت کے چھٹے سال ذوالقعدہ کے مہینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ حدیبیہ کے مقام پر محصور ہو گئے تھے۔ چنانچہ وہیں قربانی کر کے اُن سب نے احرام کھول لیا اور واپس مدینہ لوٹ گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ. (البقرۃ 2:196)

”اور حج و عمرہ (کی راہ اگر تمھارے لیے کھول دی جائے تو اُن کے تمام مناسک کے ساتھ اُن) کو اللہ ہی کے لیے پورا کرو۔ پھر اگر راستے میں گھر جاؤ تو ہدیے کی جو قربانی بھی میسر ہو،

اُسے پیش کردو، اور اپنے سر اُس وقت
تک نہ مونڈو، جب تک قربانی اپنی جگہ
نہ پہنچ جائے۔"

عام حالات میں حج و عمرہ کی قربانی کی جگہ اور وقت، دونوں متعین ہیں، لیکن جس صورت کا اِس آیت میں ذکر ہوا ہے، اُس میں قربانی کے پہنچنے کی جگہ وہی ہے، جہاں کوئی شخص گھر جائے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی اِسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

6۔ خشکی کا شکار کرنے پر کفارے کا حکم اور اِس کی صورتیں

حالتِ احرام میں خشکی کے جانور کا شکار کرنا، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، ممنوع ہے، لہٰذا اِس کی خلاف ورزی پر بھی قرآن نے فدیہ عائد کیا ہے، لیکن خاص طور پر اِس خلاف ورزی پر فدیے کی جو صورتیں اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہیں، وہ درجِ ذیل ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ. (المائدہ 5:95)

"ایمان والو، احرام کی حالت میں شکار نہ مارو۔ (یہ ممنوع ہے)، اور (یاد رکھو کہ) تم میں سے جس نے جانتے بوجھتے اُسے مارا، اُس کا بدلہ تمھارے مواشی میں سے اُسی کے ہم پلہ کوئی جانور ہے، جیسا اُس نے مارا ہے، جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے اور یہ نیاز کی حیثیت سے کعبہ پہنچایا جائے گا۔ یا نہیں تو اِس گناہ کے

کفارے میں مسکینوں کو کھانا کھلانا ہو گا
یا اِسی کے برابر روزے رکھنا ہوں گے
تاکہ وہ اپنے کیے کی سزا چکھے۔ اِس
سے پہلے جو کچھ ہو چکا، اُسے اللہ نے
معاف کر دیا ہے، لیکن اب اگر کسی
نے اُسے دہرایا تو اللہ اُس سے بدلہ
لے گا۔ اللہ زبردست ہے، وہ بدلہ
لینے والا ہے۔“

اِس حکم کے معنی یہ ہیں کہ خشکی کے جانوروں کا شکار ہر حال میں ممنوع ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص دانستہ طور پر اِس فعل کا ارتکاب کرے تو اُس پر کفارہ لازم ہو گا۔ اِس کفارے کی تین صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ جس جانور کا شکار کیا گیا ہو، اُسی نوعیت کا کوئی جانور گھریلو مویشیوں میں سے بیت اللہ کے لیے بہ طور قربانی بھیجا جائے۔ اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو اُس جانور کی قیمت کے برابر مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ اور اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو اتنے روزے رکھے جائیں جتنے مسکینوں کو کھانا کھلانا کسی شخص پر لازم آتا ہے۔

رہی یہ بات کہ شکار کیے گئے جانور کے بدلے کون سا جانور مناسب ہو گا یا قربانی ممکن نہ ہونے کی صورت میں اُس کی قیمت کس طرح مقرر کی جائے گی اور اُس کے بدلے میں کتنے مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا کتنے روزے رکھے جائیں تو اِس کا فیصلہ مسلمانوں میں سے دو معتبر آدمی کریں گے، تاکہ اِس جرم کے مرتکب شخص کو اپنے نفس کے حق میں جانب داری کا موقع نہ مل سکے۔

23۔ زیارتِ مدینہ و مسجدِ نبوی کا حکم

سوال: حج یا عمرہ کے سفر میں مدینہ منورہ کی زیارت اور مسجد نبوی کی حاضری کا کیا حکم ہے؟

جواب: بیت الحرام پہنچ کر حج یا عمرہ کرنے والے مسلمان کی بالعموم یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دار الہجرت اور آخری مسکن، مدینہ منورہ اور اِس میں آپ کی مسجد، مسجد نبوی کی زیارت بھی کرلے۔ چنانچہ وہ اِس غرض سے مدینہ منورہ کا قصد کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اِس مقصد کو حاصل کرنا ایک مسلمان کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں نماز کو بیت الحرام کے سوا باقی سب مسجدوں میں ہزار نمازوں سے بہتر قرار دیا ہے۔[165]

علاوہ ازیں، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عبادت کے لیے) تین مسجدوں کے سوا رختِ سفر نہ باندھا جائے: مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد"۔[166]

حرمِ مدینہ کے احترام کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو آگاہ فرمایا ہے کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا، اسی طرح میں نے مدینہ کو حرم قرار دیا ہے۔ لہٰذا اِس کی دونوں حدوں کے مابین نہ کسی کا خون بہایا جائے، نہ شکار کیا جائے، نہ جنگ کے لیے ہتھیار اٹھائے جائیں اور نہ درختوں کے پتے جھاڑے جائیں، سوائے اس کے کہ چارے کے طور پر جانوروں کو کھلانا مقصود ہو۔[167]

---

165 دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1190۔ صحیح مسلم، رقم 1394۔

166 دیکھیے: مصنف ابن ابی شیبۃ، رقم 15543۔

167 دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1869۔ صحیح مسلم، رقم 1374۔

اِسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مدینہ میں کسی بدعت کو ایجاد کیا یا بدعت ایجاد کرنے والوں کو پناہ دی، اُس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو گی۔[168] چنانچہ جاننا چاہیے کہ حرمِ مدنی کی حیثیت و فضیلت یہ ہے۔

تاہم یہاں یہ واضح رہے کہ اِس سفر و زیارت کا، جیسا کہ عامۃ الناس خیال کرتے ہیں، حج یا عمرہ کی عبادت اور اِس کے مناسک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ حج یا عمرہ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت اور حدیثِ نبوی میں حج یا عمرہ کرنے والوں کو اِس زیارت کا کہیں کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے۔[169] شریعت کی رو سے حج و عمرہ اِس کے بغیر بھی ہر لحاظ سے مکمل ہوتے اور اِن میں کسی اعتبار سے کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔

24۔ مسجد نبوی میں 40 نمازیں پڑھنے کی فضیلت

سوال: ہمارے معاشرے میں یہ بات عام طور پر شہرت رکھتی ہے کہ زیارتِ مدینہ کے موقع پر وہاں اتنا قیام کیا جائے کہ آدمی کم از کم 40 نمازیں مسجد نبوی میں ادا کرنے کی سعادت حاصل کر لے، اِس لیے کہ دین میں اِس کی بڑی فضیلت آئی ہے، کیا ایسی کوئی

[168] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1867۔ صحیح مسلم، رقم 1366۔

[169] اِس حوالے سے بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے عام طور پر جو روایت نقل کرتے ہیں کہ جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا، لیکن میری (قبر کی) زیارت نہ کی تو اس نے مجھ سے بے رخی برتی؛ یہ ایک من گھڑت روایت ہے۔ تمام علماے حدیث نے اِس کو 'موضوع' قرار دیا ہے۔ لہٰذا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے اِس کو بیان کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ دیکھیے: ابن الجوزی، الموضوعات 2/ 217۔

فضیلت دین میں بیان ہوئی ہے؟

جواب: جب زیارتِ مدینہ اور مسجدِ نبوی کی حاضری شریعتِ اسلامی میں مناسکِ حج وعمرہ کا حصہ نہیں ہے تو اِس سے یہ بات بالبداہت واضح ہے کہ حرمِ نبوی کا زائر جتنا چاہے، وہاں قیام کرے اور جتنی نمازیں چاہے، مسجد نبوی میں ادا کرے اور جب چاہے، وہاں سے رخصت ہو جائے۔ مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت اور حرمِ مدینہ کی حرمت کے باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ ثابت ہے، پچھلے سوال کے جواب میں بیان ہو چکا ہے۔ تاہم مسجد نبوی میں باجماعت مسلسل 40 نمازوں کی پابندی کا کوئی حکم یا فضیلت دین میں بالکل ثابت نہیں ہے۔

اِس حوالے سے ہمارے ہاں جو بات عام طور پر شہرت پا گئی ہے کہ مسجد نبوی میں 40 نمازوں کا اہتمام کرنا چاہیے، اِس لیے کہ ایک حدیث میں منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں اِس طرح پڑھیں کہ (درمیان میں) کوئی نماز فوت نہ ہو تو اُس کے لیے آگ سے براءت اور عذاب سے نجات لکھ دی جاتی ہے اور وہ نفاق سے بری ہے۔ اِس روایت کا اصل ماخذ مسند احمد، رقم 12583 ہے۔ اِس کے بارے میں یہ جاننا چاہیے کہ علماے محدثین کے نزدیک یہ ایک 'ضعیف' و 'منکر' روایت ہے۔ امام ابن باز،[170] شیخ البانی،[171] شیخ شعیب الارنؤوط،[172] شیخ ابو اسحاق الحوینی،[173]

---

[170] دیکھیے: مجموع فتاوی العلامۃ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ، رقم 230، 17/ 405-406۔

[171] دیکھیے: ناصر الدین البانی، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، رقم 364۔

[172] دیکھیے: مسند احمد، رقم 12583، تحقیق شعیب الارنؤوط، عادل مرشد وآخرون، مؤسسۃ الرسالۃ۔

[173] دیکھیے یوٹیوب پر شیخ ابو اسحاق الحوینی کی گفتگو بہ عنوان: صحۃ حدیث: من صلی فی الجماعۃ

اور تمام محقق علما کے نزدیک یہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے بالکل ناقابلِ اعتبار ہے۔ لہٰذا اِس کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے فضیلت کا ایسا کوئی حکم اخذ کرنا شرعاً بالکل درست نہیں ہے۔ عبادات میں جس چیز کا استناد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو، اُسے دین کی حیثیت سے بالکل پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اِس تصور کی اصلاح کر لینی چاہیے۔

25۔ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری

سوال: مسجدِ نبوی اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کے کیا آداب ہیں؟

جواب: مدینہ طیبہ کی زیارت کرنے والے کے لیے یہ مستحب ہے کہ وہ مسجدِ نبوی کی زیارت کرے اور اِس میں نماز ادا کرے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک اور آپ کے منبر کے مابین کے حصے میں، جو برِ صغیر کے عازمین کے ہاں بالعموم 'ریاض الجنۃ' کے نام سے مشہور ہے، نماز پڑھنا میسر ہو تو وہاں بھی نماز ادا کرے۔ اِس حصے کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ مقام جنت کے باغات میں سے ایک باغ کی حیثیت رکھتا ہے اور میرا منبر اسی جگہ واقع ہے جہاں قیامت کے دن میرا حوض ہو گا۔[174]

علاوہ ازیں، مسجد نبوی کا زائر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے سامنے کھڑے ہو کر آپ پر سلام عرض کرے اور اللہ تعالیٰ سے آپ پر رحمت و برکت کی دعا کرے۔ اِس سلام و دعا کے لیے دین میں کوئی متعین الفاظ مشروع نہیں کیے گئے ہیں۔ لہٰذا اِس کے لیے جو

أربعين صلاة كتبت له براءتان۔

[174] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1196۔ صحیح مسلم، رقم 1391۔

اچھے الفاظ چاہے، آدمی استعمال کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اِس موقع پر وہ چاہے تو ’السلام علیك یا رسول اللہ ورحمة اللہ وبرکاته‘ کے الفاظ سے آپ کی قبر کے سامنے سلام عرض کر سکتا ہے۔

پھر اگر زائر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کچھ دعائیہ کلمات بھی کہے تو اِس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ مثال کے طور پر وہ یوں کہہ سکتا ہے: ’جزاك اللہ عن امتك خیرًا، وضاعف لك الحسنات، واحسن إلیك کما احسنت إلی الامة‘، ”اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی امت کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے، آپ کے حسنات کو خوب بڑھا دے۔ جس طرح آپ نے اِس امت پر احسان فرمایا، اللہ تعالیٰ آپ پر بھی اپنے انعامات فرمائے“۔

مزید بر آں، وہ چاہے تو اِن الفاظ کا اضافہ بھی کر سکتا ہے: ’اشهد انك قد بلغت الرسالة، وادیت الامانة، ونصحت الامة، وجاهدت فی اللہ حق الجهاد‘، ”میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ، آپ نے رسالت کا حق ادا کر دیا، اللہ کی امانت کو مکمل طور پر ادا کر دیا، امت کی خیر خواہی فرمائی اور اللہ کی راہ میں کما حقہٗ جہاد کیا“۔ اِن الفاظ میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اِس لیے کہ آپ کی ہستی کی نسبت سے یہ درست اور ثابت شدہ حقائق پر مبنی ہیں۔

اور پھر زائر آپ کے دونوں جلیل القدر صحابہ، سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی قبروں کے سامنے یکے بعد دیگرے ٹھیر کر اُن پر بھی سلام بھیجے اور جن الفاظ میں چاہے، اللہ سے اُن کے لیے بھی مناسب دعائیں کرے۔

تاہم کوئی شخص اپنے لیے اللہ سے کوئی دعا کرنا چاہے تو وہ اِس مقام سے ہٹ کر مسجدِ نبوی میں کسی اور جگہ چلا جائے اور قبلہ رُخ ہو کر دعا کرے۔

باب ششم

حج وعمرہ کی شائع وذائع غلطیاں

بعض ایسے اعمال یا تصورات ہیں جنھیں بہت سے لوگ بالعموم حج وعمرہ کی شریعت سمجھ کر یا اُس شریعت کی اصل روح سے ناواقفیت کی بنا پر دین کی حیثیت سے اختیار کرتے ہیں، لیکن وہ حج وعمرہ میں قرآن وسنت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم وعمل کی روایات سے ثابت نہیں ہیں۔ اگر تحقیق کی جائے تو ایسے اصلاح طلب امور بے شمار ہیں، البتہ اُن میں سے چند شائع وذائع غلطیوں کی طرف ہم ذیل میں اشارہ کیے دیتے ہیں تاکہ قارئین اُن پر متنبہ رہیں اور اپنے حج وعمرہ میں اُن سے اجتناب کریں۔

احرام

1۔ احرام کے موقع پر نیت کا زبانی اظہار کرنا دین میں مشروع نہیں ہے۔ شریعت میں جس طرح دیگر عبادات، مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ واعتکاف اور قربانی میں نیت کے زبانی اظہار کا کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے، اُسی طرح حج وعمرہ کے آغاز میں احرام کے موقع پر بھی مخصوص

الفاظ ادا کر کے نیت کرنا دین میں مشروع نہیں ہے۔ عام طور پر حج و عمرہ کی کتابوں میں جو بتایا جاتا ہے کہ اِس موقع پر آدمی 'اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ' وغیرہ کے الفاظ سے نیت کرے، اِس طرح کی کوئی چیز قرآن و سنت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و اُسوہ سے ثابت نہیں ہے، اور عبادات میں جس چیز کو آپ کی نسبت حاصل نہیں ہے، اُسے دین کی حیثیت سے، بالبداہت واضح ہے کہ قطعاً پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا احرام کے موقع پر آپ حج یا عمرہ، جس عبادت کے عزم سے بھی تلبیہ کی صدا بلند کرتے ہیں، وہی مسنون ہیں۔

2۔ بعض لوگ دانستہ طور پر میقات یا اُس کے محاذات سے احرام باندھنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ اُن کا یہ عمل درست نہیں ہے۔ حج و عمرہ کے مناسک میں میقات سے احرام باندھنے کو چونکہ شریعت کی حیثیت سے مقرر کیا گیا ہے، چنانچہ اِس سے غفلت کی کسی کے لیے کوئی گنجایش نہیں ہے۔ حج یا عمرہ کی غرض سے سفر کرنے والے ہر شخص کو اِس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

3۔ عام طور پر حج یا عمرہ کے احرام کے موقع پر دو رکعت نماز کی ادائیگی کو ضروری اور مناسک کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اِس طرح کی کوئی نماز اِس موقع پر شریعت میں مقرر نہیں کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اِس طرح کی کوئی چیز منقول نہیں ہے۔ آدمی بغیر کسی نماز کے بھی احرام باندھ سکتا ہے، اور وہ چاہے تو اُس موقع پر اگر کسی نماز کا وقت ہو تو اُس سے فارغ ہو کر بھی تلبیہ پکار سکتا ہے۔ تاہم اِن میں سے کسی عمل کو دین و شریعت کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جا سکتا۔

4۔ حالتِ احرام میں مردوں کے لیے اِس طرح کے کوئی جوتے پہننا بھی لازم نہیں ہے کہ جن میں اُن کے پاؤں کی اوپر والی اُبھری ہوئی ہڈی کھلی رہے، جیسا کہ بعض فقہا کی رائے ہے۔ اِس طرح کی کوئی چیز بھی حج و عمرہ کی شریعت میں موجود نہیں ہے۔ اِس باب میں

جو چیز شریعت کی حیثیت سے مقرر کی گئی ہے، وہ صرف یہ ہے کہ آدمی پاؤں میں جوتے یا موزے، جو کچھ بھی پہنے، وہ بہر حال ٹخنوں سے نیچے تک ہونے چاہییں۔[175]

5۔ یہ تصور بھی درست نہیں ہے کہ احرام کے کپڑے دھوئے جا سکتے ہیں، نہ کسی صورت میں تبدیل کیے جا سکتے ہیں۔ ضرورت محسوس ہو تو مرد اور خواتین، دونوں لباسِ احرام کو دھو بھی سکتے ہیں اور اُسے تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے۔ حج و عمرہ کرنے والوں کے لیے دین میں اِس طرح کی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی ہے۔

6۔ حالتِ احرام میں خواتین کا چہرے کو کپڑا مَس کیے بغیر نقاب پہننا بھی قطعاً درست نہیں ہے۔ اِس حالت میں خواتین کے لیے، جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے، شریعت کا حکم یہ نہیں ہے کہ وہ نقاب کا کپڑا اپنے چہرے پر نہ لگنے دیں، بلکہ حکم یہ ہے کہ وہ چہرے پر نقاب نہ پہنیں، اُسے کھلا رکھیں۔ چنانچہ اِس سے واضح ہے کہ یہ غلطی حکم کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بنا پر عام ہوئی ہے۔ اِس عمل کے لیے بھی دین میں کوئی ماخذ موجود نہیں ہے۔ البتہ مردوں سے اختلاط کے کسی ایسے موقع پر جس میں خواتین یہ ضرورت محسوس کریں کہ اُن سے اختلاط مناسب نہیں ہے تو وہ کسی پردے کی اوٹ میں رہ سکتی ہیں۔ تاہم حالتِ احرام میں نقاب وغیرہ پہن کر چہرہ چھپائے رکھنے کا اہتمام کرنے کی اجازت اُنھیں قطعاً حاصل نہیں ہے۔

7۔ 8 / ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ میں حج کا احرام باندھنے کے بعد بیت اللہ میں حاضری اور دو رکعت نماز ادا کرنے کو باعثِ فضیلت سمجھنا بھی دین میں درست نہیں ہے۔ حج کے احرام کے موقع پر اِس طرح کی کوئی چیز دین میں پسندیدہ عمل کی حیثیت سے بیان نہیں ہوئی ہے۔

---

[175] اِس مسئلے کی تفصیل اِس کتاب میں پیچھے ”اہم فقہی مسائل اور اُن کا حل“ کے زیرِ عنوان بیان ہو چکی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد سے بھی اِس طرح کے کسی عمل کی کوئی فضیلت روایت نہیں ہوئی ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل جو روایتوں میں نقل ہوا ہے، وہ بھی اِس کے بر خلاف ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ شہر مکہ کے مشرقی جانب کے نشیبی علاقے میں مقیم تھے۔ اپنی جاے قیام سے احرام باندھ کر آپ بیت الحرام میں حاضر نہیں ہوئے، بلکہ سیدھے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

8۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ حج کے لیے مسجدِ حرام میں جا کر احرام باندھنے کو باعثِ فضیلت سمجھتے ہیں۔ اِس تصور کے لیے بھی دین میں کوئی ماخذ موجود نہیں ہے۔

9۔ یہ تصور بھی درست نہیں ہے کہ عمرہ میں استعمال شدہ احرام کے کپڑوں کو حج میں لباسِ احرام کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اِس طرح کا کوئی حکم حج و عمرہ کی شریعت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں موجود نہیں ہے۔

10۔ بعض حضرات کے ہاں ایک تصور یہ بھی پایا جاتا ہے کہ احرام باندھتے وقت آدمی کے لیے جوتے پہنے ہوئے ہونا ضروری ہے، بہ صورتِ دیگر اِس کے بعد جوتے پہننے کی اجازت بھی ختم ہو جائے گی۔ یہ تصور بھی بالکل باطل ہے۔ اِس کی حیثیت بھی دین میں ایجاد بندہ کی ہے۔ دینی اعتبار سے جوتے پہنے ہوئے احرام باندھنا کوئی ضروری چیز ہے، نہ یہ احرام کی کوئی شرط ہے۔ احرام جوتے پہنے بغیر بھی باندھا جا سکتا ہے، اور احرام باندھ لینے کے بعد جوتے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اِن میں سے کسی عمل کو کوئی دینی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

تلبیہ

1۔ اجتماعی طور پر ایک آواز میں تلبیہ پکارنا بھی دینی اعتبار سے کوئی پسندیدہ عمل نہیں

ہے۔ آدمی چاہے تو اِسے اختیار کر سکتا اور چاہے تو ترک بھی کر سکتا ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ یہ چیز بسا اوقات دوسروں کے لیے باعثِ اذیت بن جاتی اور اُن کے خشوع و خضوع کو مجروح کر دیتی ہے۔ چنانچہ اِس کا خیال رکھنا چاہیے۔

2۔ تلبیہ کے بجائے بعض حجاج کا تکبیر و تہلیل پکارتے رہنا بھی قابل اصلاح ہے۔ تلبیہ تو ہر صورت میں پکارا جائے گا، اِس لیے کہ یہی وہ واحد ذکر ہے جسے حج و عمرہ میں سنت کی حیثیت سے مشروع کیا گیا ہے۔ اِس کے ساتھ، البتہ تکبیر و تہلیل بھی کی جا سکتی ہے، لیکن تلبیہ کو چھوڑ کر اِس کے بجائے دیگر اذکار کو اختیار کرنا درست نہیں ہے۔

مسجدِ حرام میں داخلہ

1۔ حج و عمرہ کے موقع پر مسجدِ حرام میں کسی مخصوص دروازہ سے داخلہ کو بھی، جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں، دین میں مشروع نہیں کیا گیا ہے۔ آدمی جس دروازہ سے چاہے، داخل ہو سکتا ہے۔

2۔ مسجد حرام میں داخل ہو کر بیت الحرام کو پہلی مرتبہ دیکھنے کے موقع پر مخصوص دعاؤں کی تعیین کرنا اور اُنھیں مشروع سمجھنا بھی درست نہیں ہے۔ اِس طرح کی کوئی چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ اِس کی اصلاح بھی کر لینی چاہیے۔

طواف

1۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ طواف کا ارادہ کرتے ہیں تو اِس کے لیے غسل کرتے ہیں۔ اِس کی حیثیت دین میں کسی مشروع عمل کی نہیں ہے، بلکہ یہ ایک قابل اصلاح

چیز ہے۔ بیت اللہ کے کسی طواف کے لیے دین میں غسل کرنے کو مندوب نہیں بتایا گیا ہے۔

2۔ طواف کا آغاز کرتے ہوئے نیت کا زبانی اظہار کرنا بھی دین میں مشروع نہیں ہے۔ حج و عمرہ سے متعلق کتابوں میں عام طور پر جو لکھا جاتا ہے کہ اِس موقع پر آدمی 'اللّٰھم إنی ارید الطواف سبعة اشواط للحج او للعمرۃ' وغیرہ کے الفاظ سے طواف کی نیت کرے، اِس طرح کی کوئی چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے مسلمانوں کو نہیں ملی، اور عبادات میں جس چیز کو آپ کی نسبت حاصل نہیں، اُسے دین کی حیثیت سے قطعاً پیش نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اِس کی بھی اصلاح کر لینی چاہیے۔

3۔ دُور سے حجرِ اَسود کے استلام کے لیے مطاف میں لگائے گئے نشان پر رُک کر قبلہ رو ہونے اور دونوں ہاتھوں سے اُس کی طرف اشارہ کر کے ہاتھوں کو چومنے کے لیے بھی سنت میں کوئی ماخذ موجود نہیں ہے۔ طواف کرتے ہوئے اِس مقام پر ٹھیرنا، قبلہ رخ ہونا، اشارہ کے لیے دونوں ہاتھوں کو اُٹھانا اور پھر اِنھیں چومنا؛ اِن میں سے کوئی عمل بھی شریعت میں مسنون نہیں ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ طواف کرنے والا طواف کے دوران میں کسی مقام پر نہ ٹھیرے۔ حجرِ اَسود کے محاذات پر پہنچے تب بھی چلتے ہوئے دائیں ہاتھ سے اُس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گزر جائے۔ عامۃ الناس کے اِس عمل کے لیے بھی حج و عمرہ کے مناسک میں کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔ موجودہ زمانے میں مطاف میں یہ نشان اِس عمل کے لیے نہیں، بلکہ طواف کرنے والوں کو محض اِس بات کا اشارہ دینے کے لیے لگایا گیا ہے کہ وہ حجرِ اَسود کے محاذات میں ہیں، لہٰذا دور سے استلام کا اشارہ کرتے ہوئے چلیں، اِس لیے کہ بیت الحرام کے طواف کا ہر پھیرا حجرِ اَسود کے استلام ہی سے شروع ہوتا ہے۔

4۔ بعض لوگ طواف کے ہر پھیرے میں حجرِ اَسود کا بوسہ لینے پر اصرار کرتے ہیں۔ ہر پھیرے میں اگر بہ آسانی بوسہ لیا جا سکتا ہو اور اِس کے نتیجے میں لوگوں کو کوئی اذیت اور

تکلیف بھی نہ پہنچے تو اُس صورت میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی ہر پھیرے میں بوسہ لے لے۔ تاہم ہجوم کے باعث اگر ہر پھیرے میں بوسہ لینا ممکن نہ ہو اور پھر بھی اِس پر اصرار کیا جائے تو یہ ایک اصلاح طلب رویہ ہے، اِس لیے کہ یہ رویہ لوگوں کے لیے شدید تکلیف اور اذیت کا باعث بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی مطاف میں جس جگہ پر بھی ہو؛ جب وہ حجرِ اَسود کے محاذات میں پہنچے تو اُس کی طرف دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتا ہوا گزر جائے۔

5۔ طواف کے دوران میں بلند آواز سے دعا و مناجات کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے، اِس لیے کہ اِس کے نتیجے میں طواف کرنے والے دوسرے لوگوں کا خشوع و خضوع مجروح ہوتا اور اکثر لوگوں کے لیے یہ چیز باعث اذیت بن جاتی ہے۔ پھر دین کی رو سے یہ کوئی پسندیدہ عمل بھی نہیں ہے۔

6۔ طواف کے ہر پھیرے کے لیے مخصوص دعاؤں کی تعیین کے لیے بھی سنت میں کوئی ماخذ موجود نہیں ہے۔ اِس طرح کی کوئی چیز طواف میں مشروع نہیں ہے۔ پھر یہ دین کا مزاج بھی نہیں ہے کہ وہ عبادات میں بندوں کے لیے تمام دعاؤں کو خود متعین کر کے اُنھیں اِن کا پابند کر دے، اِس لیے کہ ہر بندۂ خدا کے اپنے حالات، اپنے مسائل اور اپنی پریشانیاں ہوتی ہیں۔ بیت اللہ جیسے عظیم مقام پر پہنچ کر عقل و فطرت کی رو سے بھی ہر بندۂ خدا کو یہ اجازت ہونی چاہیے کہ اب وہ جس زبان اور جس اسلوب میں چاہے، اپنے پروردگار کے حضور میں دعا و مناجات کرے، اُس سے ہم کلام ہو، اظہارِ تشکر کرے، اپنے مسائل اُس کے سامنے رکھے، اپنی الجھنوں کو اُس کے حضور میں بیان کرے، دنیا و آخرت کی فلاح کا سوال براہِ راست اُس کی بارگاہ میں پیش کرے۔

7۔ طواف کے دوران میں رُکن یمانی کو بوسہ دینا یا دور سے اُس کی جانب اشارہ کرنا یا اُسے

ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چومنا بھی خلافِ سنت ہے۔ اِس طرح کا کوئی عمل چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے، اس لیے اِس کی اصلاح بھی کر لینی چاہیے۔ تاہم اِس باب میں، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رکن یمانی کو صرف ہاتھ سے چھونا مروی ہے۔[176]

8۔ طواف کرتے ہوئے بعض لوگوں کا بیت اللہ کی عمارت کے ہر کونے کو چھونا یا اُسے چومنا بھی ایک اصلاح طلب عمل ہے۔ یہ بھی لوگوں کی اپنی ایجادات میں سے ہے، دین میں قطعاً مشروع نہیں ہے۔

9۔ بعض لوگ طواف کے تمام پھیروں میں مسلسل دوڑتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ایک لغو عمل ہے۔ دین میں اِس کے لیے کوئی اساس موجود نہیں ہے۔ اِس کی اصلاح بھی ہونی چاہیے۔

10۔ طواف کے دوران میں بیت اللہ کی دیواروں، اُس کے غلاف یا اُن شیشوں کو چھونا یا چومنا قطعاً درست نہیں ہے جن میں ابراہیمی پتھر کو محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ بھی ایک غیر مشروع عمل ہے۔

11۔ ماضی میں بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ طواف کرتے ہوئے حطیم کے اندر سے گزر جاتے تھے۔ یہ بھی ایک غلطی ہے۔ حطیم، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، دراصل بیت اللہ ہی کا حصہ ہے، جو قریش کی جانب سے کی گئی اِس کی تعمیر کے موقع پر اصل عمارت سے باہر رہ گیا تھا۔ چنانچہ ہر طواف کرنے والے کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اُس کا طواف پورے بیت اللہ کو شامل ہو۔

12۔ طواف کے دوران میں عجلت کا مظاہرہ کرنا، حجرِ اَسود اور رکن یمانی کے پاس ازدحام

---

[176] دیکھیے: صحیح بخاری، رقم 1606۔ صحیح مسلم، رقم 1267، 1268۔

کرنا، ایک دوسرے سے جھگڑنا، زور آزمائی کرنا، دھکم پیل کرنا اور دوسروں کے لیے باعث اذیت بن جانا؛ یہ سب اصلاح طلب رویے ہیں۔ اِس بات کی اشد ضرورت ہے کہ حجاج و معتمرین اِن تمام چیزوں سے اجتناب کریں۔ طواف کے دوران میں ہر مسلمان کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ وہ ایک بہت ہی غیر معمولی مقدس مقام پر، اُس حرمت والے گھر کا طواف کر رہا ہے جسے روے زمین پر اللہ پروردگار عالم نے اپنی ملاقات اور عبادت کے لیے خاص کر رکھا ہے۔ وہ طواف و استلام کے ذریعے سے علامتی زبان میں یہاں اپنے وجود کو اپنے پروردگار کے حوالے اور اُس کے ساتھ کیے گئے اسلام کے عہد کی تجدید کر رہا ہے۔ اخلاقی تقاضوں کے ساتھ ساتھ اِس گھر کے احترام کا تقاضا بھی ہے کہ اِس میں اللہ کی عبادت اور اِس کا طواف کرنے والا ہر شخص اِس حضوری کے مقام پر ہمہ وقت سکون و اطمینان کا مظاہرہ کرے اور اُس سے کسی بندۂ خدا کو کوئی اذیت نہ پہنچے۔

13۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نماز کی طرح ہاتھ باندھے ہوئے طواف کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک اصلاح طلب عمل ہے۔ طواف کے دوران میں یہ کوئی پسندیدہ عمل ہے، نہ اس کی کوئی دینی حیثیت ہے۔

14۔ طواف کے اختتام پر ابراہیمی پتھر کے پاس دو رکعت نماز کی ادائیگی پر اصرار کے لیے بھی دین میں کوئی گنجایش نہیں ہے۔ مسجدِ حرام میں جو جگہ بھی میسر ہو، یہ نماز وہاں پڑھی جا سکتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیمی پتھر کے پیچھے جا کر دو رکعت نماز غالباً اِس وجہ سے پڑھی تھی کہ طواف کرنے والوں کو کوئی زحمت نہ ہو، اِس لیے کہ اُس زمانے میں اِس مقام پر طواف کرنے والوں کا گزر نہ تھا۔ طواف کی جگہ بیت اللہ کی دیواروں سے ابراہیمی پتھر ہی تک تھی، جس کے بعد لوگوں کے مکانات تھے۔ گویا یہ مقام اُس زمانے میں حدِ مطاف کی

علامت تھی۔ چنانچہ طواف کے بعد نماز کے لیے ہمیں بھی کسی ایسے مقام کا انتخاب کرنا چاہیے جہاں طواف کرنے والوں سے کوئی تصادم نہ ہو۔

سعی

1۔ طواف ہی کی طرح سعی کا آغاز کرتے ہوئے بھی نیت کا زبانی اظہار کرنا دین میں مشروع نہیں ہے۔

2۔ ہر پھیرے میں صفا اور مروہ پر پہنچ کر دونوں ہاتھوں سے بیت اللہ کی طرف اشارہ کرنا اور ہاتھوں کو چومنا بھی درست نہیں ہے۔ یہ اعمال سعی میں مسنون نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ اصلاح طلب ہیں۔

3۔ طواف کی طرح سعی کے ہر پھیرے کے لیے مخصوص دعاؤں کی تعیین کرنا بھی ایک قابل اصلاح چیز ہے۔ اِس موقع پر بھی ایک بندۂ مومن جو دعا و مناجات چاہے اور جیسے چاہے، کر سکتا ہے۔

4۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ سعی کے تمام چکروں میں مسلسل دوڑتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ایک اصلاح طلب اور غیر مسنون عمل ہے۔

5۔ بعض لوگ صفا سے آغاز کر کے واپس صفا تک ایک چکر شمار کرتے ہوئے سات پھیرے سعی کرتے ہیں۔ یہ بھی سعی کی غلطیوں میں سے ایک ہے۔ شریعت کی رو سے سعی میں، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، صفا سے مروہ تک ایک اور مروہ سے صفا تک دوسرا پھیرا شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سعی کے سات پھیرے بہر حال اِسی ترتیب اور تعداد سے مکمل کیے جائیں گے۔

6۔ سعی سے فارغ ہو کر بعض لوگ دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ اِس موقع

پر کوئی نماز شریعت میں مسنون نہیں کی گئی ہے۔ چنانچہ اِس کی اصلاح ہونی چاہیے۔

حلق و قصر

1۔ حلق و قصر کے موقع پر ایک غلطی یہ پائی جاتی ہے کہ بعض لوگ پورے سر کا حلق کرانے کے بجائے اُس کے کچھ حصے کو منڈواتے ہیں اور قصر کراتے ہوئے بھی پورے سر کی حجامت کے بجائے سر کے کسی حصے کے تھوڑے سے بال کاٹ کر، جیسا کہ عورتوں کے لیے حکم ہے، احرام کھول لیتے ہیں۔ یہ دونوں ہی چیزیں قطعاً درست نہیں ہیں۔ حج و عمرہ کی شریعت میں یہ لازم ہے کہ آدمی حلق کرائے یا قصر، بہر حال اُسے پورے سر کو شامل ہونا چاہیے۔

2۔ بعض لوگ قبلہ رخ ہو کر حلق کرانے کو باعث فضیلت سمجھتے ہیں۔ اِس تصور کی بھی دین و شریعت میں کوئی اساس موجود نہیں ہے۔

یوم الترویہ

بعض حجاج 8/ ذوالحجہ کو منیٰ میں حاضر ہو کر قیام کرنے کے بجائے، بغیر کسی عذر کے سیدھے میدانِ عرفات چلے جاتے ہیں۔ یہ عمل بھی قطعاً درست نہیں ہے۔ یوم الترویہ، یعنی حج کے پہلے دن شریعت کا حکم یہ ہے کہ حجاج منیٰ میں حاضر ہوں اور 9/ ذوالحجہ کی صبح تک وہیں قیام کریں۔ تاہم جو لوگ کسی عذر کے باعث پہلے دن منیٰ میں حاضر نہ ہو سکیں، اُن کے لیے کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ وہ یوم عرفہ کو براہِ راست میدان عرفات میں حاضر ہوں۔

وقوفِ عرفہ

1۔ بعض لوگ وقوفِ عرفہ کے لیے غسل کرتے اور اِس عمل کو باعث فضیلت سمجھتے ہیں۔اِس کے مندوب ہونے کی بھی حدیث و سنت میں کوئی اساس موجود نہیں ہے۔

2۔ بعض حجاج یومِ عرفہ کو ظہر اور عصر کی نمازیں قصر اور جمع کر کے پڑھنے کے بجائے اپنے اپنے اوقات میں چار چار رکعتیں پڑھتے ہیں اور مزید یہ کہ اِن فرض نمازوں کے آگے پیچھے نوافل کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔یومِ عرفہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ سنت کی رو سے یہ عمل بھی قابلِ اصلاح ہے، اِس لیے کہ یہ آپ کی سنت کے خلاف ہے۔ابلیس کے خلاف جنگ کی تمثیل کے تقاضے سے یہ چیز بہ حیثیت سنت، مناسک حج کی شریعت میں مقرر کی گئی ہے کہ یومِ عرفہ کو حجاج ظہر اور عصر کی نمازیں جمع اور قصر کر کے پڑھیں گے اور آگے پیچھے کے کوئی نوافل پڑھنا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع نہیں فرمایا ہے، جیسا کہ اِس کتاب میں پیچھے اِس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔سفر یا اقامت سے اِس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔چنانچہ مسلمانوں کو اِس معاملے میں بھی سنت کی پیروی کرنی چاہیے۔

3۔ عرفات میں بعض لوگ اُس پہاڑ کے پاس، جو جبل رحمت کے نام سے معروف ہے، ٹھیرنے کو ضروری سمجھتے اور اِس پر اصرار کرتے ہیں۔یہ بھی بالکل درست نہیں ہے۔ عرفات کے پورے میدان میں آدمی جہاں چاہے، وقوف کر سکتا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”میں نے یہاں، جبل رحمت کے پاس، وقوف کیا ہے۔تاہم یہ واضح رہے کہ وقوف، عرفات کے پورے میدان میں کہیں بھی کیا جا سکتا ہے۔“[177]

---

[177] دیکھیے: سنن ابی داؤد، رقم 1907۔

4۔ عرفات میں بعض لوگ دعا و مناجات کرتے ہوئے اِسی جبل رحمت کی طرف رُخ کر لیتے ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر وقوفِ عرفہ کے دوران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی پہاڑ کے پاس کھڑے ہو کر دعا و مناجات کی تھی۔ تاہم دعا و مناجات میں اِس کی طرف رخ کرنا یا لوگوں کو اِس کی تلقین کرنا آپ کے ارشاد و اُسوہ سے بالکل ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا اِس کی بھی اصلاح کرنی چاہیے۔

5۔ بعض لوگ جبل رحمت کے اوپر چڑھنے اور اِس پر نماز ادا کرنے کو باعث فضیلت سمجھتے ہیں۔ اِس کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

6۔ بعض حجاج بغیر کسی عذر کے غروبِ آفتاب سے پہلے ہی عرفات سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی قابل اصلاح عمل ہے۔ حجاج کے لیے شریعت کا حکم ہے کہ وہ غروب آفتاب تک عرفات ہی میں رہیں گے۔ اِس سے پہلے وہاں سے نکلنا جائز نہیں ہے، الاّ یہ کہ کسی شخص کو کوئی ایسا غیر معمولی عذر لاحق ہو جائے جس کی بنا پر اُسے اِس حکم سے رخصت حاصل ہو جائے۔

7۔ عرفات میں بعض حجاج خاموشی اختیار کر لینے کو باعث فضیلت سمجھتے اور اِسی بنا پر وہاں دعا و مناجات بھی ترک کر دیتے ہیں، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ حج میں دعا و مناجات کا سب سے بڑا موقع عرفات کے وقوف کا ہے۔ اِس عمل کی حیثیت بھی دین میں ایجادِ بندہ کی ہے۔

8۔ عرفات سے نکلتے ہوئے اکثر حجاج تیزی سے چلتے، جلد بازی کا مظاہرہ کرتے اور اِس کے نتیجے میں بسا اوقات دوسروں کے لیے باعث اذیت بن جاتے ہیں۔ اِس کی اصلاح بھی کرنی چاہیے۔ اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ یہ ہے کہ آپ نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ عرفات سے روانہ ہوئے اور اپنے ساتھ حجۃ الوداع میں موجود حجاج کو بھی آپ نے

اسی طرح چلنے کی ہدایت فرمائی۔[178]

9۔یوم عرفہ کو بعض حجاج مغرب اور عشا کی نمازیں مزدلفہ پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں ادا کر لیتے ہیں۔ یہ عمل بھی بالکل درست نہیں ہے۔ اِس موقع پر سنت اور شریعت کا قانون یہ ہے کہ حاجی غروبِ آفتاب کے بعد مغرب کی نماز پڑھے بغیر عرفات سے روانہ ہو اور پھر جس وقت بھی وہ مزدلفہ پہنچے، خواہ وہ عشا کا وقت ہو، اُسی میدان میں پہنچ کر مغرب اور عشا کی نمازیں جمع اور قصر کر کے پڑھے۔

وقوفِ مزدلفہ

1۔ مزدلفہ میں رات گزارنے کے لیے بعض لوگ غسل کرتے ہیں۔ دین میں یہ بھی کوئی مسنون عمل نہیں ہے۔

2۔اکثر حجاج یہ خیال کرتے ہیں کہ مزدلفہ کے میدان سے کنکریاں اُٹھانا ایک مشروع عمل اور مناسک حج کا حصہ ہے۔ چنانچہ وہ اِس میدان میں پہنچ کر نمازوں کی ادائیگی کے بجاے، پہلے کنکریاں اُٹھانے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور مزید یہ کہ تمام ایام تشریق کی رمی کے لیے کنکریاں وہیں سے اُٹھا کر وہ اپنے پاس محفوظ کر لیتے ہیں۔ مناسکِ حج میں اِس تصور و عمل کی کوئی اساس موجود نہیں ہے۔ حاجی جہاں سے چاہے، جب چاہے اور جتنی چاہے، کنکریاں اُٹھا سکتا ہے۔ اِس کے لیے کوئی خاص مقام یا وقت شریعت نے مقرر نہیں کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کے عمل میں بھی اِس کے لیے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔

---

[178] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1218۔ سنن ابی داؤد، رقم 1920۔

لہٰذا اِس کی اصلاح بھی لازماً ہونی چاہیے۔

3۔ مزدلفہ میں بعض حجاج مغرب اور عشا کی نمازیں قصر اور جمع کر کے پڑھنے کے بجائے اپنے اپنے اوقات میں تین اور چار رکعت پڑھتے اور اِن نمازوں کے ساتھ نوافل کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ اِن کا یہ عمل بھی بالکل غلط اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ سنت اور آپ کے اُسوہ کے خلاف ہے۔ ابلیس کے خلاف جنگ کی تمثیل کے تقاضے سے یہ بات بہ حیثیت سنت، مناسک حج کی شریعت میں مقرر کی گئی ہے کہ مزدلفہ میں حجاج مغرب اور عشا کی نمازیں جمع اور قصر کر کے پڑھیں گے۔ سفر یا اقامت سے اِس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جہاں تک اِن نمازوں کے ساتھ نوافل پڑھنے کا تعلق ہے تو اِس معاملے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ یہ ہے کہ اِس موقع پر آپ نے اِن نمازوں کے ساتھ کوئی نفل ادا نہیں کیے۔[179] چنانچہ مسلمانوں کو اِس معاملہ میں بھی سنت کی پیروی اور اپنے عمل کی اصلاح کرنی چاہیے۔

4۔ بعض حجاج مزدلفہ میں رات کے قیام کو بغیر کسی عذر کے ترک کر دیتے اور سیدھے منیٰ واپس آجاتے ہیں۔ یہ بھی قطعاً درست نہیں ہے۔ اِس رات کے لیے شریعت کا حکم یہ ہے کہ آدمی صبح روشن ہونے تک مزدلفہ کے میدان ہی میں قیام کرے، الاّ یہ کہ کسی شخص کو کوئی ایسا عذر لاحق ہو جائے جس کی بنا پر اُسے اِس حکم سے رخصت حاصل ہو جائے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو اُن کے عذر کی بنا پر رات ہی میں کوچ کر جانے کی اجازت دی تھی۔[180]

5۔ بعض لوگ مزدلفہ کی رات کو خاص عبادت کی رات قرار دیتے اور اِس میں عبادت

---

[179] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1218۔

[180] دیکھیے: محمد عبداللہ ضیاء الاعظمی، الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل، کتاب الحج 5/267-268۔

کے لیے جاگتے ہیں۔ یہ بھی حج کی شائع و ذائع غلطیوں میں سے ایک ہے۔ قرآن و سنت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد واُسوہ سے اِس رات کی یہ حیثیت قطعاً معلوم نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو کم از کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری حج میں مسلمانوں کے سامنے اپنے عمل سے یہی اُسوہ پیش فرماتے یا لوگوں کی رہنمائی کے لیے اِسے بیان کر دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ ایسا نہیں کیا، بلکہ آپ نے اپنے ہمیشہ کے معمول کے برخلاف، اِس رات میں فجر تک آرام فرمایا اور تہجد کے لیے بھی نہ اُٹھے۔[181] چنانچہ واضح ہوا کہ یہ چیز بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کے خلاف ہے۔

رمی جمرات

1۔ بعض لوگ رمی سے پہلے غسل کرتے اور اِس کو باعث فضیلت سمجھتے ہیں۔ دین میں اِس کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

2۔ بعض حجاج رمی سے پہلے کنکریوں کو پانی سے دھوتے اور اِنھیں خوش بو سے معطر کرتے ہیں۔ یہ ایک بالکل لغو عمل ہے۔ اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جو لوگ مناسک کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں، اُن سے اِس طرح کی غلطیوں کا سرزد ہونا کوئی بعید نہیں ہے۔ لوگ غالباً اپنے اِس عمل سے کنکریوں کے تقدس کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں، دراں حالیکہ کنکریوں سے رمی کرنا علامتی زبان میں ایک عبادت ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ اِس کے ذریعے سے ایک بندۂ مومن ابلیس پر لعنت اور اُس کے خلاف جنگ کا علامتی اظہار کرتا ہے۔

---

[181] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم 1218۔

چنانچہ اِس طرح کی غلطیوں میں پڑنے کے بجائے لوگوں کو مناسک کی حقیقت کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، جسے حاصل کرکے وہ حج اور اِس کے مناسک کی اصل روح کو پاسکتے ہیں۔

3۔ بعض حجاج تمام کنکریوں کو اکٹھا ایک ہی دفعہ ستون کی طرف مار دیتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ تمام کنکریاں ایک ایک کر کے ماری جائیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کی پیروی میں[182] ہر کنکر کو پھینکتے ہوئے تکبیر پڑھی جائے۔

4۔ رمی کی حقیقت کو، جیسا کہ اِس کتاب میں پہلے بیان ہو چکا ہے، اگر سامنے رکھا جائے تو یہ تصور بھی درست نہیں ہے کہ کنکریوں کا براہِ راست ستونوں کو لگنا ضروری ہے۔ دین میں اِس تصور کے لیے بھی کوئی ماخذ موجود نہیں ہے۔ جمرات کے پاس موجود لوگوں کا خیال رکھتے ہوئے کنکر کو ستون کی سمت میں مار دینا کافی ہے۔

5۔ بعض حجاج استطاعت کے باوجود اور بغیر کسی عذر کے اپنی رمی دوسروں کو سونپ دیتے ہیں۔ یہ عمل بھی بالکل درست نہیں ہے۔ رخصت کے قانون کے مطابق اِس موقع پر بچوں، ضعیف عورتوں، بیماروں، بوڑھوں اور کم زوروں کو تو اِس کی اجازت دی جا سکتی ہے، تاہم بغیر کسی حقیقی عذر کے کوئی حاجی اِس حکم سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔

6۔ جمرات کے پاس اکثر حجاج ایک دوسرے سے جھگڑتے، زور آزمائی کرتے، دھکم پیل کرتے اور دوسروں کے لیے باعث اذیت بن جاتے ہیں۔ کتنی ناپسندیدہ بات ہے کہ جس مقام پر رمی کرکے ہم اپنے رب کی حمیت و حمایت، ابلیس کو پسپا کرنے اور اُس کے خلاف اپنی اِس دنیوی زندگی میں بر سر جنگ رہنے کے عزم کا اظہار کرتے ہیں، عین اُسی مقام پر یہ غلطی کر کے ابلیس ہی کی صدا پر لبیک کہنے کا ثبوت دے رہے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اِس بات کی اشد

---

[182] دیکھیے: صحیح مسلم، رقم1218۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے حج کو اِس طرح کی آلایشوں سے پاک کریں۔

7۔ بعض لوگ جمرات کو حقیقتاً ابلیس تصور کرتے اور اِن کے پاس کھڑے ہو کر اپنے شدتِ جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ اِس موقع پر اُنھیں چھوٹی بڑی، جو چیز ہاتھ آتی ہے، جمرات کی طرف دے مارتے ہیں۔ یہ بھی ایک بالکل لغو اور اصلاح طلب عمل ہے۔ یہ چیز بالبداہت واضح ہے کہ رمی اور جمرات، دونوں کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر پیدا ہوئی ہے۔ منیٰ کے میدان میں یہ تین ستون حقیقی ابلیس نہیں، بلکہ اُس کی علامت کے طور پر مقرر کیے گئے ہیں تاکہ ہم علامتی زبان میں اپنے پروردگار کے حضور میں ابلیس پر لعنت اور اُس کے خلاف جنگ کا اظہار کریں۔

متفرقات

1۔ بعض حجاج ہدی کا جانور ساتھ لائے بغیر حج اور عمرہ، دونوں ایک ہی احرام میں جمع کر لیتے ہیں۔ حج و عمرہ کی اِس صورت کے لیے شریعت میں کوئی ماخذ موجود نہیں ہے۔ ایک احرام میں حج و عمرہ کی ادائیگی کی یہ صورت، شریعت میں صرف اُن لوگوں کے لیے مقرر کی گئی ہے جو قربانی کے جانور اپنے ساتھ لے کر حرم میں آئے ہوں، اِس لیے کہ جس شخص نے قربانی کا جانور اپنے ساتھ لے لیا ہو، قرآن مجید کے حکم کے مطابق وہ اُس وقت تک احرام سے نہیں نکل سکتا، جب تک کہ اپنے ساتھ لائے ہوئے جانور کی قربانی نہ کر لے۔[183] اور یہ قربانی، ظاہر ہے کہ شریعت میں اپنے مقررہ دن، یعنی یوم النحر 10 / ذوالحجہ ہی کو کی جائے گی۔ اُس وقت تک یہ حاجی حالتِ احرام میں رہنے کا پابند ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اگر عمرہ کا ارادہ بھی

---

[183] دیکھیے: البقرۃ 2:196۔

رکھتا ہے تو عمرہ سے فراغت کے بعد بھی وہ احرام سے نہیں نکل سکتا، بلکہ اُسی احرام میں رہتے ہوئے حج کرتا ہے اور نتیجتاً وہ ایک ہی احرام میں حج و عمرہ، دونوں عبادات کو ادا کرلیتا ہے۔ اب جہاں تک اُن حجاج کا تعلق ہے جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور ساتھ لے کر نہ آئے ہوں، جیسا کہ بالعموم اب حجاج کرتے ہیں، اُن کے لیے شریعت میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے کہ وہ یوم النحر تک حالتِ احرام میں رہیں، چنانچہ یہ اگر حرم میں پہنچ کر پہلے عمرہ کرتے ہیں تو اِن کے لیے عمرہ سے فراغت کے بعد احرام کھول لینا ہی مشروع طریقہ ہے، بلکہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایسے لوگوں کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ وہ اپنا احرام کھول لیں۔[184] لہٰذا ہدی کا جانور ساتھ لے جائے بغیر ایک ہی احرام میں حج اور عمرہ، دونوں کو جمع کرنا غیر مسنون طریقہ ہے۔ اِس صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم ہی کی پیروی کی جائے گی۔

2۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ طوافِ افاضہ، یعنی حج کے طواف کو بنا کسی عذر کے موخر کر دیتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی درست نہیں ہے۔ اگر کوئی عذر نہ ہو تو حج کا یہ طواف یوم النحر 10 / ذوالحجہ کو ادا کرنا چاہیے۔ تاہم کسی شخص کے لیے اگر کسی وجہ سے اِس دن طواف کرنا ممکن نہ ہو تو پھر اِس کی تاخیر میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

3۔ حج و عمرہ سے متعلق بعض کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ حج کی سعی، جسے یوم النحر کو طوافِ حج کے بعد کیا جاتا ہے، حاجی اگر اِسے یوم النحر سے پہلے بھی کرلے تو یہ جائز ہوگا اور اس کے نتیجے میں 10 / ذوالحجہ کو سعی کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ شریعت کی رو سے یہ نقطۂ نظر قطعاً درست نہیں ہے۔ حج و عمرہ، دونوں عبادات میں سعی کے لیے شریعت میں باقاعدہ موقع

---

[184] دیکھیے: مسند احمد، رقم 14440۔

مقرر کیا گیا ہے۔ اُس قانون کے مطابق عمرہ میں سعی بیت الحرام کا طواف کرنے کے بعد اور حج میں 10 / ذوالحجہ کو طوافِ افاضہ کے بعد کی جائے گی۔ حجاج و معتمرین کو اِسی قانون کی پیروی کرنا ہو گی۔ چنانچہ یوم النحر سے پہلے حج کی سعی کر لینا سنت کے قانون کے خلاف ہونے کی بنا پر درست نہیں ہے۔

4۔ ایام تشریق میں بعض لوگ منیٰ میں قیام کرنے کے بجائے بغیر کسی عذر کے شہر مکہ میں مقیم رہتے ہیں، جب کہ اِن ایام میں سنت یہ ہے کہ حجاج منیٰ ہی میں قیام پذیر رہیں اور جمرات کی رمی کریں۔ چنانچہ یہ عمل بھی خلاف سنت اور قابل اصلاح ہے۔ کسی عذر کی وجہ سے مکہ جانا پڑے تو اِس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

5۔ یوم عرفہ اگر جمعہ کے دن واقع ہو تو عامۃ الناس اُس حج کو 'حج اکبر' کا نام دیتے اور اُسے زیادہ باعث اجر و فضیلت سمجھتے ہیں۔ اِس تصور کے لیے بھی دین میں کوئی اساس موجود نہیں ہے۔ یہ ہمارے عوام الناس کا اپنا تصور ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حج اور عمرہ، دونوں عبادات اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہی حقیقت کو ممثل کرتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ عمرہ اجمال ہے اور حج میں ایک خاص پہلو سے اُس کی تفصیل کر دی گئی ہے۔ چنانچہ اِسی تناظر میں زمانۂ قدیم سے عمرہ کو 'حج اصغر' اور اِس کے تقابل میں حج کو 'حج اکبر' کہا جاتا ہے۔

6۔ بعض لوگ طوافِ وداع کرنے کے بعد مسجد حرام سے اُلٹے پاؤں نکلتے ہیں۔ یہ بھی ایک بالکل لغو عمل ہے۔ دین میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اِس کی اصلاح بھی کر لینی چاہیے۔

مناسک حج و عمرہ سے متعلق یہ عام طور پر پائے جانے والے وہ اعمال و تصورات ہیں جن کے لیے قرآن و سنت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و اُسوہ کی روایتوں میں کوئی ماخذ

موجود نہیں ہے۔ اِن میں سے بعض چیزوں کا ماخذ موضوع یا ضعیف روایات ہیں، جب کہ بعض محض فقہی کتابوں میں پائے جانے کی بنا پر عام ہو گئے ہیں۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جو حج وعمرہ کے باب میں شریعت کے احکام سے ناواقفیت کی وجہ سے شائع و ذائع ہوئی ہیں۔ اور بعض غلطیاں ایسی ہیں جو مسلمانوں میں مناسک حج وعمرہ کی حقیقت و حکمت سے بے شعوری کی بنا پر اُن سے سرزد ہو رہی ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کو اِس طرح کی غلطیوں پر متنبہ رہتے ہوئے اِن سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اللّٰھم ارنا الحق حقًّا، وارزقنا اتباعہ،

وارنا الباطل باطلًا، وارزقنا اجتنابہ.

”اے اللہ، ہمیں حق کو حق ہی کی صورت میں دکھا
اور اُس کی پیروی نصیب فرما، اور باطل کو ہمارے
سامنے باطل ہی کی صورت میں واضح فرما اور اُس
سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔“

ڈاکٹر محمد عامر گزدر کا تعلق شہرِ کراچی سے ہے۔ پرائیویٹ اسکول کی تعلیم کے ساتھ اُنھوں نے کراچی کے مشہور استاذ قاری خلیل احمد بندھانی کے زیرِ تلمذ 1987ء میں قرآنِ مجید کے حفظ قراءت کی تعلیم مکمل کی۔ علومِ اسلامیہ کی تحصیل کے لیے 1989ء میں گزدر صاحب نے درسِ نظامی کا آغاز کراچی کی ”جامعہ دار العلوم حنفیہ“ سے کیا، جہاں علومِ عربیہ واسلامیہ میں اُن کے اوّلین استاذ جامعہ کے مہتمم مولانا فیض اللہ آزاد رحمہ اللہ تھے۔ ابتدائی درجات کی تکمیل کے بعد وہ ”جامعۂ علومِ اسلامیہ“ بنوری ٹاؤن میں آ گئے اور پھر 1992ء میں جامعہ ہی سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک سال جامعہ بنوری ٹاؤن ہی میں مدرس کے فرائض انجام دیے۔ استاذ جاوید احمد غامدی صاحب سے ملاقات اور تلمذ کا آغاز 1993ء کے شروع میں ہوا۔ دین کی مزید تعلیم کے پیشِ نظر گزدر صاحب نے 1999ء میں ”ادارۂ علم و تحقیق المورد، لاہور“ میں علوم عربیہ و اسلامیہ کے ایک ماسٹرز پروگرام کا آغاز کیا۔ پروگرام کے اختتام پر 2001ء میں مجموعی طور پر ٹاپ پوزیشن حاصل کی۔ 2001ء ہی میں ”المورد“ کے کراچی سینٹر میں اُنھوں نے ایسوسی ایٹ فیلو کی حیثیت سے اسلامی علوم کی تدریس و تحقیق سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ”ادارۂ علم و تحقیق، المورد“ کے کراچی سینٹر میں کم و بیش دس سال تدریس و تحقیق کے شعبے میں خدمات انجام دیں۔ 2012ء میں ”المورد“ کی ایسوسی ایٹ فیلوشپ کے ساتھ دین کی اعلیٰ تعلیم کے پیشِ نظر ’دراسات القرآن والسنۃ‘ کے اختصاص کے لیے ایک اور ماسٹرز پروگرام میں شرکت کی غرض سے ”انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی“ ملیشیا میں داخلہ لیا۔ یہ پروگرام بھی گزدر صاحب نے امتیازی نتائج (CGPA:3.92) کے ساتھ کم و بیش دو سال میں مکمل کیا۔ جنوری 2015ء میں ملیشیا کی اِسی جامعہ میں قرآن و سنہ ہی کے ڈیپارٹمنٹ میں اپنے پی ایچ ڈی پروگرام کا آغاز کیا، جس کی تکمیل بھی اُنھوں نے امتیازی کامیابی (Distinction) کے ساتھ فروری 2019ء میں کی۔ اِس کے بعد 2021ء تک اِسی جامعہ میں پوسٹ ڈاکٹرل ریسرچ فیلو کی حیثیت سے علم و تحقیق کے فرائض انجام دیتے رہے۔ علاوہ ازیں، ڈاکٹر صاحب جنوری 2016ء سے استاذ جاوید احمد غامدی کے حدیث پروجیکٹ میں تحقیق و تالیف کا ایک مرکزی کردار ادا کر رہے ہیں۔ 2004ء سے اب تک اردو و عربی زبان میں گزدر صاحب کی بہت سی تصانیف و مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ اِن کے ڈاکٹریٹ اور ماسٹرز کے عربی مقالات کتابی صورت میں بیروت کے معروف مکتبہ ’دار الکتب العلمیۃ‘ سے شائع ہو چکے ہیں، جن میں سے ایک کتاب میں حدیث و فقہ کی روشنی میں نومولود کی اذان و اقامت کی مشروعیت پر ایک تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے، جب کہ دوسری میں خواتین کے پردے اور مرد و زن کے اختلاط کے احکام کے بارے میں علما و فقہا کے مواقف کا تقابلی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ پاکستان، ملیشیا اور انڈیا کے متعدد علمی مجلوں میں ڈاکٹر عامر کے بہت سے علمی مقالات شائع ہو چکے ہیں اور بعض مقالات و تصانیف اِس وقت زیرِ تالیف ہیں۔ ”ادارۂ علم و تحقیق المورد، پاکستان“ کے سینئر فیلو ہیں۔ ’SZABIST‘ یونیورسٹی کراچی میں لیکچرار کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ اور ”غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ المورد، امریکہ“ کے مختلف تصنیفی و تعلیمی منصوبوں میں شریک ہیں۔

Ghamidi Center of Islamic Learning

www.ghamidi.org

AN INITIATIVE OF AL-MAWRID US